میراث الانبیاء





جلد دوم



فضیلۃ الشیخ ابو عمر الکویتی حفظہ اللہ

دار القرآن والسنۃ

1۔ وہ لوگ ہیں جو اس بات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ ہمارے ان احبار و رھبان نے اللہ کا دین تبدیل کر دیا ہے اس کے باوجود بھی انکی اتباع کرتے ہیں اور اپنے علماء کو اس بات کا حقدار سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور حرام کردہ کو حلال کریں باوجود یہ کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے رسول ﷺ کے دین کی مخالفت کی ہے (اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا) کفر ہے۔

2۔ دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہمارے علماء حلال کو حرام اور حرام کو حلال کے مرتکب ہیں اس کے بعد وہ ان علماء کی اطاعت دیگر معصیت کے اُمور میں کرتے ہیں جس طرح کے مسلمان معصیات کے مرتکب ہوتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہ معصیت کر رہے ہیں (جس طرح یہ مسلمان گنہگار ہیں مگر کافر نہیں) اسی طرح یہ لوگ بھی گنہگار ہیں مگر انہیں کافر نہیں کہا جائے گا۔ **(مجموع الفتاوی 70/7)**

ازالہ: جو لوگ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا سہارا لے رہے ہیں وہ لوگ دراصل اطاعت شرکیہ اور اطاعت معصیت میں فرق نہیں سمجھتے ہیں، اطاعت معصیت یہ ہے کہ کوئی انسان کسی گناہ میں کسی کی اطاعت کرے مگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ عمل گناہ ہے یعنی دل میں اس گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے حرام سمجھتا ہو تو اس طرح کی اطاعت اطاعتِ معصیت کہلاتی ہے اس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا الّا یہ کہ وہ اس گناہ کو حلال سمجھے۔

اطاعت شرکیہ یہ ہے کہ انسان کسی مخلوق کی اتباع یا اطاعت کسی شرکیہ فعل میں کرے مثلاً کوئی شخص کسی کو کہے کہ بت کو سجدہ کرو اور وہ کر لے یا اسے کہے کہ فلاں جن کے نام پر ذبیحہ کرو اور وہ کر لے یا اس کو کہے کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے پاس فیصلہ لے جاؤ اور وہ اس پر عمل کر لے تو اس طرح کی اطاعت شرکیہ اطاعت کہلاتی ہے۔ اس کا مرتکب مشرک باللہ شمار ہوگا اگرچہ وہ اس عمل کو حلال نہ بھی سمجھتا ہو۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جس اطاعت کی بات کی ہے وہ اطاعت معصیت ہے، اطاعت شرکیہ نہیں ہے۔

2: دوسرا جواب یا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اطاعت اور تحاکم میں فرق ہے۔ اطاعت کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔ اطاعت معصیت اور اطاعت شرکیہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، جبکہ تحاکم خالص عبادت ہے جس طرح کہ نذر، طواف وغیرہ جس نے غیر اللہ کے لئے یہ کر لیا وہ مشرک ہے۔ علماء نے اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ کہتے ہیں:

جو شخص سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود کتاب وسنت رسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلہ کسی اور کی طرف لے جاتا

ہے وہ کافر ہے۔(**الدرر السنية:426/10**)۔

شبہ نمبر5: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کے علاوہ اگر کسی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو وہ اس وقت ناجائز ہوگا جب وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو، اگر ان کے موافق فیصلہ ہو جیسے عدل، لوگوں کو ان کا حق دینا وغیرہ تو یہ جائز ہے۔

ازالہ: یہ قول دو وجہ سے باطل ہے:

1۔ ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ فیصلہ عدل پر مبنی ہے یا ظلم پر بلکہ ہم وہ قانون دیکھیں گے جس کے مطابق فیصلہ ہوا ہے جس کی طرف رجوع کیا گیا ہے اس لئے کہ عدل کا حصول طاغوت کے ذریعہ سے ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کی آیت **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ** نازل ہوئی اور اس سے کعب بن اشرف مراد لیا گیا تو اس آیت میں کفر سے مراد اس کے فیصلے یا اس کی طرف فیصلے لے جانے کو قرار دیا گیا۔ آیت میں اس بات کو کفر کی علت نہیں بنایا گیا کہ کعب بن اشرف عدل سے فیصلے نہیں کرتا تھا، رشوت لیتا تھا۔

2۔ دوسری توجیہ: ہم بندے کا حق نہیں دیکھیں گے کہ اس کا فیصلہ عدل سے ہوا ہے یا ظلم سے، ہم معبود کا حق دیکھیں گے جو توحید ہے۔ کفر بالطاغوت ہے: طاغوت کے پاس فیصلہ نہ لے جانا اور لوگوں کو اس کام سے روکنا۔ جب ہم خود ہی فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں گے تو دوسروں کو اس سے کیسے منع کریں گے؟

شبہ نمبر6: بعض لوگ کہتے ہیں کہ شرعی حکومت ہی نہیں ہے جو ہمیں ہمارے حقوق دلوائے جبکہ ہمیں اپنے حقوق چاہیئے ہیں (لہٰذا مجبوراً حقوق کے حصول کے لئے طاغوت کے پاس جانا پڑتا ہے)۔

ازالہ: اس قول کے بھی دو جواب ہو سکتے ہیں:

1۔ سب سے پہلے تو ہم ایسا کہنے والوں کو اللہ کا یہ قول یاد دلائیں گے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ

یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اسے پسند کیا۔ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔(**النحل:107**)۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف الشبہات میں اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

اللہ نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ کفر اور عذاب ان کے اعتقاد یا ان کی جہالت

یا دین سے نفرت اور کفر سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کا سبب دنیاوی مفاد تھا جسے دین پر ترجیح دی گئی۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ دنیا کے کسی فائدے کو آخرت پر ترجیح دے چاہے وہ دنیوی فائدہ کوئی عہدہ ہو یا سرداری یا کوئی اور مفاد ہو یا دنیوی مال کے ضیاع کا خطرہ ہو۔ اس لئے کہ دین کی حفاظت مال کی حفاظت پر مقدم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: دینار و درہم کا پجاری ہلاک ہو جائے (اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ) اگر اسے دیا جاتا رہے تو خوش رہتا ہے ورنہ ناراض۔ **(راوہ البخاری)**۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُ کُمْ وَ اَبْنَاءُ کُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسَاکِنَ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ. (التوبه:24).

(اے محمد ﷺ) ان سے کہہ دیجئے: اگر تمہارے باپ، بیٹے بھائی، بیویاں، رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمایا جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کی مندی کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں اگر یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسول اور ان کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے۔ اس لئے کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دنیوی اسباب کی کتنی مذمت کی ہے جن کی وجہ سے جہاد ترک کیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے اگر توحید کو چھوڑ دیا جائے تو وہ زیادہ قابل مذمت ہے یا جہاد کو چھوڑنا۔ جب ان آٹھ اُمور کی وجہ سے تارکِ جہاد کی معافی نہیں ہے تو پھر تارکِ توحید کا عذر کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے جیسا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا مگر ایسی صورت میں رخصت ہوتی ہے۔ ان پر بامر مجبوری عمل کیا جا سکتا ہے مگر ایسے میں بھی عزیمت پر عمل افضل ہے یعنی ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لی جائے مگر کلمہ کفر ادا نہ کیا جائے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن شیخ محمد بن احمد

الحفظی کا قول نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: عقل وخرد رکھنے والوں کوخبر دار ہونا چاہیئے اور غفلت میں پڑے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے کہ دین کی جڑ تک فتنہ پہنچ چکا ہے لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ اپنا خاندان و کنبہ اپنی بیویاں مال تجارت گھر سب دین کی حفاظت کے لئے قربان کردیں نہ کہ دین ان چیزوں کے لئے قربان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُ کُمْ .... الْفَاسِقِیْنَ. (التوبه:24).

اس آیت پر غور کرنا چاہیئے، اسے سمجھنا چاہیئے کہ اللہ، اس کا رسول ﷺ اور جہاد ان آٹھوں چیزوں سے زیادہ پسندیدہ ہوں یعنی آٹھ کے آٹھ سے زیادہ نہ کہ ایک دو یا ان سے کمتر کسی چیز کو زیادہ پسند کیا جائے۔ کسی بھی مسلمان کی نظر میں دین ہی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہونا چاہیئے۔ تو یہ تمام اُمور سے اہم ہونا چاہیئے۔**(الدرر السنة 259/8)**

2۔ ہم ایسے لوگوں کو (جو شبہ 6 میں مبتلا ہیں) اللہ کا یہ فرمان یاد دلائیں گے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ O مَا اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِO اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُO .(الذاریات 56 تا 58)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے میں ان سے رزق نہیں مانگتا اور نہ ان سے یہ کہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں اللہ ہی سب سے زیادہ رزق دینے والا ہے مضبوط قوت والا ہے۔

اللہ نے اس آیت میں انسانوں کی پیدائش کا مقصد بیان کیا ہے یعنی عبادت و بندگی۔ اللہ نے ان کے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو خود کو میری عبادت کیلئے فارغ کر دے (وقف کر دے) میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا میں تیری ضروریات پوری کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کریگا تو میں تیرا ہاتھ مصروفیات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجگی ختم نہیں کروں گا۔**(رواه احمد)**

جو لوگ کہتے ہیں کہ شرعی حکومت نہ ہونے کی وجہ طاغوتی حکومت کے فیصلے ماننا مجبوری ہے انکی یہ بات دو وجہ سے باطل قرار دی جاسکتی ہے۔

1۔ ان لوگوں کو اضطرار اور اکراہ (مجبوری اور زبردستی) کا فرق معلوم نہیں ہے اس لئے انہوں نے اضطرار کو کفر کے لئے عذر تسلیم کر لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے اضطرار میں معصیت کا ارتکاب ہوسکتا ہے جبکہ کفریہ عمل یا قول صرف

حالت اکراہ میں ہوسکتا ہے نہ کہ اضطرار میں اکراہ کا مطلب ہے کہ کسی کو قتل کی دھمکی دیکر یا سزا دیکر مجبور کیا جائے کسی کفریہ عمل یا قول پر۔

اضطرار کا معنی ہے کہ دو قسم کی مفسدہ ہوں ایک بڑی ایک چھوٹی حالت اضطرار میں بڑی خرابی چھوڑ کر چھوٹی کو اختیار کیا جائے (جیسے جان ہلاکت کے قریب ہو اور حلال نہ مل رہا ہو تو حرام کھا سکتا ہے کہ جان کی ہلاکت بڑا نقصان اور خرابی ہے ایسے میں حرام کا سہارا لیکر اس بڑے نقصان سے بچا جائے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمِ (البقرہ:173)

جو شخص مجبور ہو جائے وہ زیادتی کرنے والا یا باغی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں (کہ وہ حرام کردہ مذکورہ فی الایت اشیاء میں سے کھالے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسی سزا دی جائے کہ اس کی جان ہلاکت میں پڑ رہی ہو تو ایسی صورت میں خود کو قتل ہونے سے بچانے کے لئے کلمہ کفر منہ سے نکال سکتا ہے۔

شیخ حمد بن عتیقؒ فرماتے ہیں اگر سوال کیا جائے کہ اکراہ کیا ہے جس کی وجہ سے کفریہ کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ کا جو سبب آیت قرآنی میں بیان ہوا ہے اس سے اکراہ کی صورت واضح ہوتی ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ

جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا الا یہ کہ اسے مجبور کیا گیا ہو جبکہ اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو۔**(النحل:106)**۔

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب مشرکین نے اس کو اور اس کے باپ یاسر اسکی ماں سمیہ اور صہیب، بلال، خباب، سالم کو پکڑ کر انہیں سزائیں دینے لگے سمیہ کو دو اونٹوں کے ساتھ باندھ دیا گیا اور نیزہ مار کر قتل کر دیا گیا اس کے شوہر یاسر کو بھی قتل کر دیا گیا یہ دونوں اسلام میں قتل ہونے والے سب سے پہلے مقتول (شہید ہیں) عمار کو میمون کنویں میں لٹکا دیا اور اسے کہنے لگے کہ محمد ﷺ کا انکار کر دے عمار نے ان کا کہا مان لیا جبکہ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا (اس طرح انکی جان بچ گئی)

نبی ﷺ کو اطلاع مل گئی کہ عمار نے کفر کر لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا عمار سر سے پاؤں تک

ایمان سے بھرا ہوا ہے ایمان اس کے خون اور گوشت میں پیوست ہے عمارؓ روتے ہوئے نبی ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ عمارؓ نے کہا بہت برا ہوا میں نے آپ کی شان میں گستاخانہ بات کی اور کفار کے معبودوں کی تعریف کی ہے آپ ﷺ نے پوچھا اس وقت تمہاری دلی کیفیت کیا تھی؟ عمارؓ نے کہا دل ایمان پر مطمئن تھا نبی ﷺ عمار کے آنسو پونچھتے رہے اور فرمارہے تھے اگر وہ کبھی تمہارے ساتھ پھر ایسا کریں تو تم بھی ایسا ہی کرنا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ہجرت کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تو راستے میں کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور ان سے زبردستی کفریہ کلمات کہلوائے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی مقاتل کہتے ہیں یہ ایک غلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے اس کے مالک نے کفر پر مجبور کیا تھا اب جس شخص کو بھی ان افراد کی طرح صورت حال درپیش ہو تو اس کے لئے وہ عمل جائز ہے جو ان لوگوں کے لئے جائز تھا عمارؓ نے اس وقت کفریہ کلمہ کہا جب اس کے باپ اور ماں کو قتل کردیا گیا اور اسے مار پیٹ کر کنویں میں لٹکا دیا گیا اسی طرح ھجرت کرنے والوں کو مشرکین نے اور غلام کو اس کے آقا نے مجبور کیا انہیں مارا پیٹا گیا دھمکیاں دی گئیں یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے عذر پیش کیا (کہ ہم بادشاہ کی غلط بات کی مخالفت اس لئے نہیں کرتے کہ ہم عمارؓ کی طرح مجبور ہیں) تو امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ عمار کو تو کفار نے مارا پیٹا جبکہ تم کو صرف دھمکی دی گئی (اور تم اپنی بات سے پھر گئے؟)

(الدفاع عن اهل السنة والاتباع للشيخ حمد بن عتيق)

2۔ جواب کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر بت پرستوں قبر پرستوں کی حکومت اور طاقت ہو اور وہ کسی انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیں اور اس کی واپسی کی شرط لگائیں کہ جب تک بت یا قبر کا طواف نہ کرلو اس وقت تمہیں تمہارا مال واپس نہیں دیں گے تو کیا یہ شخص طواف کرلیگا؟ یا سجدہ کرلیگا؟ کہ وہ مال واپس لینے پر مجبور ہے؟ اور اگر وہ یہ کام کرلیتا ہے تو کیا یہ مجبوری اسے مشرک کہلانے سے روک دے گی؟

3۔ جواب کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مال کو ضائع ہونے سے بچانا بھی اکراہ کی صورت ہے تو پھر ہم جب اکراہ سے متعلق شرعی دلائل جمع کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اکراہ وعدم اکراہ کی صورتیں واضح ہوجاتی ہیں۔

پہلی دلیل: مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهِ اِلَّا مَنْ اُكْرِاهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌ بِالْاِيْمَانِ

جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا الا یہ کہ اسے مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر

مطمئن ہو۔(النحل:106).

دوسری دلیل: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ .... مَصِيْرًا .(النساء :97)

جولوگ اپنی جانوں پرظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور شمار ہوتے تھے فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مشرکین کے ساتھ ان کی تعداد بڑھانے کے لئے جنگ بدر میں نکلے تھے ان میں سے کچھ لوگ جنگ میں قتل ہو گئے کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو کافر قیدیوں کے ساتھ کیا کہ ہر شخص نے خود کو چھڑانے کے لئے فدیہ دیا۔

صحیح بخاری میں ہی ہے محمد بن عبدالرحمٰن ابی الاسود کہتے ہیں اہل مدینہ (مسلمانوں) کے خلاف لشکر تیار ہوا تو میں نے بھی اس میں اپنا نام لکھوا دیا پھر میں نے عکرمہ مولی ابن عباس سے اس کا ذکر کیا تو اس نے مجھے سختی سے منع کیا اور پھر کہا کہ ابن عباسؓ نے مجھے بتایا ہے کہ کچھ مسلمان مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لئے ان کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے گئے کچھ ان میں سے تیروں سے قتل ہوئے کچھ تلواروں سے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ....

سعدی سے روایت ہے کہتے ہیں جب عباس، عقیل، اور نوفل قیدی بن کر لائے گئے تو نبی ﷺ نے عباسؓ سے فرمایا اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ دیں عباسؓ نے کہا اللہ کے رسول کیا ہم نے تمہارے قبلے کی طرف نماز نہیں پڑھی کیا ہم نے تمہارا کلمہ نہیں پڑھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا عباس تم آپس میں لڑے اور پھر مغلوب ہو گئے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً .(کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟)

بخاری نے کتاب الجہاد میں سیدنا انسؓ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں نبی ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا تو عباسؓ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی کچھ مال دیدیں کہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو یا غالب ظن ہو کہ وہ عنقریب کفر کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اوراس نے کفریہ عمل یا قول کا ارتکاب کرلیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اس شہر یا علاقے سے نکل سکتا تھا مگر نہیں نکلا تو اسکا عذر قبول نہیں وہ مجبور شمار نہیں ہوگا البتہ وہ شخص کہ جس پر کفار غالب تھے اور وہ نکلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تھا اور کفار نے اسے کلمہ کفر پر مجبور کرلیا تو یہ اکراہ شمار ہوگا اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اکراہ کی کون سی صورت ہے اور کون سی نہیں ہے؟۔

شیخ سلیمان بن عبداللہؒ اپنے رسالہ **حکم موالاۃ اھل الشرک** میں آیت **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** .... **(النساء: 97) جو پہلے مذکور ہوئی۔**

کا مطلب بیان کرتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ فرشتے ان لوگوں سے سوال کریں گے کہ تم کس گروہ میں تھے؟ مسلمانوں کے یا مشرکین کے؟ تو یہ لوگ عذر پیش کریں گے ہم کمزور و بےبس مسلمانوں میں سے تھے تو فرشتے انکا یہ عذر قبول نہیں کریں گے اوران سے کہیں گے۔ **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا.** کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرلیتے ؟ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے کسی بھی عاقل شخص کو اس بارے میں شک نہیں ہے کہ جو مسلمان مشرکوں کے ساتھ رہتے تھے کفر کے شہر میں اور جب وہ مجبوراً کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نکلے تو انہی کفار میں سے شمار ہوئے جیسا کہ مذکورہ آیت کے شان نزول میں واضح ہو چکا ہے کہ مکہ کے رہنے والے کچھ لوگ مسلمان ہوئے مگر ہجرت کرنے کے بجائے وہیں رہے جب بدر کی جنگ کا وقت آیا تو مشرکین انہیں اپنے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مجبور کر کے لے گئے اور وہ مسلمان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ مسلمانوں کو جب معلوم ہوا تو وہ افسوس کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اگر کفر کے شہر میں رہنے والوں کا عذر قبول نہیں تو پھر اس مسلمان شہر والوں کا عذر کیسے قبول ہوگا جو مسلمان ہیں مگر اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار لیا اور مشرکین کے دین کی موافقت کا مظاہرہ کیا ان کی اطاعت اختیار کرلی انکی مدد کی اور اہل توحید کو رسوا کیا ان کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راہ چلے ان میں اہل توحید کو گالیاں دی جارہی ہیں انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے ان کو توحید پر قائم رہنے اس پر ثابت قدم رہنے اس کے لئے جدوجہد کرنے کی وجہ سے بےوقوف سمجھا جارہا ہے۔ اہل توحید کے خلاف خوشی و رضا مندی سے مشرک و مسلمان متحد ہو چکے ہیں مسلمانوں کی اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے یہ لوگ کفر اور جہنم کے زیادہ مستحق

ہیں بنسبت ان مسلمانوں کے جنھوں نے کفار کے خوف اور وطن کی محبت کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور مجبوراً کفار کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان مسلمانوں کے لئے یہ عذر کافی نہیں تھا کہ انہیں کافروں نے اپنے ساتھ جانے پر مجبور کر لیا تھا کیا یہ اکراہ کی صورت نہیں تھی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ عذر نہیں تھا اس لئے کہ ان کے پاس پہلے موقعہ موجود تھا کہ وہ کفار کے ساتھ ان کے شہر میں رہنے کے بجائے ہجرت کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی چونکہ اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا اپنی خوشی سے وہاں رہتے رہے اب ان کی مجبوری اور اکراہ قابل قبول نہیں ہے۔(**مجموعة التوحید 305/1**)

ایک جلیل القدر عالم کے یہ الفاظ اس فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اکراہ کس کو کہتے ہیں اور کس کو نہیں کہتے؟

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں ابو محمد بن الکرانی سے کسی نے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جنھیں بنو عبید نے مجبور کر کے اپنی دعوت میں شامل کر لیا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے؟ ابو محمد نے کہا کہ وہ قتل ہونے کو ترجیح دے اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے الا یہ کہ جب سب سے پہلے بنو عبید نے شہر پر قبضہ کر لیا اس وقت اگر کسی کو مجبور کیا تو وہ اکراہ کی صورت ہے ان کے ساتھ خوشی و رضامندی سے رہنے کے بعد اب اگر اسے مجبور کیا جا رہا ہے تو وہ مجبوری میں شمار نہیں ہے اب اسے یا تو قتل ہونا ہے یا فرار ہو کر کسی اور جگہ جانا ہے اس لئے کہ جب کسی مسلمان کو یہ اندیشہ ہو کہ کسی بھی وقت اسے شریعت پر عمل کرنے سے روکا جا سکتا ہے اور اس کے باوجود وہ وہاں رہ رہا ہے تو بعد میں کوئی عذر قبول نہیں ہے اس لئے علماء اور عبادت گذار لوگ ایسے مواقع پر فی الفور ہجرت کر کے نکل جاتے تھے کہ کہیں بعد میں خلاف شرع فتوے ان سے زبردستی نہ لئے جائیں اور عبادت سے نہ روکا جائے۔

4۔ چوتھی صورت جواب کی یہ ہے کہ پہلی مثال کی طرح ایک اور مثال ہم دے رہے ہیں کہ اگر کسی مقام پر ہزاروں مسلمان رہ رہے ہیں جہاں کفر کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے مگر پھر کفار ان پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا مال چھین لیتے ہیں پھر ان مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ تمہیں تمہارا مال اسی صورت میں واپس مل سکتا ہے کہ تم اللہ کو یا رسول ﷺ کو یا دین اسلام کو برا بھلا کہو یا قبروں اور اولیاء کے لئے ذبیحہ کرو اب مسلمان کافی سالوں تک یہ کام نہیں کرتے مگر آخر مجبوراً اپنا مال واپس لینے کے لئے کر لیتے ہیں تو کیا انہیں مجبور کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اسکا جواب ہر شخص نفی میں دے گا

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک پوری قوم اللہ کو گالی دے اور ایسا عمل کرے جو اسلام سے خارج کر دینے والا کافر بنا دینے والا ہو اور وہ لوگ جو سب کے سب طاغوت کے فیصلے مانتے ہوں ان میں کیا فرق ہے؟ جبکہ یہ بھی وہی کام کر رہے ہیں جو خروج عن الاسلام اور کافر بنا دینے والا عمل کر رہے ہیں۔

آخر میں ہم یہ کہیں گے کہ ایسے حالات میں ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ ہم ان فتنوں اور آزمائشوں سے نکلنے کی صورتیں بتاتے ہیں۔

1۔ قرآن نے اس کا طریقہ بتایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُوۡلٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ الرَّحِیۡمٌ (البقرہ:218)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مِنۡ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ (النحل:41)

جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی جبکہ ان پر ظلم ہو چکا تھا ہم انہیں دنیا میں اچھی بات کی خبر دیں گے اور آخرت کا اجر بڑا ہے اگر یہ جانتے ہوتے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا مِنۡ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰہَدُوۡا وَ صَبَرُوۡا اِنَّ رَبَّکَ مِنۡ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ الرَّحِیۡمٌ (النحل:110)

پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ مصیبت اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

مَنۡ یُّہَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّ سَعَۃً (النساء: 100)

جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ زمین میں پائے گا بہت جگہ اور کشادگی۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سعۃ سے مراد رزق ہے یہی بات قتادہ و دیگر مفسرین نے بھی کی ہے قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے آزمائشوں سے نکلنے کا پہلا راستہ ھجرت ہے۔ دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی

طرف ہجرت۔ دارالکفر کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ جہاں کفر کے احکام غالب و نافذ ہوں۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں جمہور کا قول ہے کہ دارالسلام اسے کہا جائے گا جہاں مسلمان رہتے ہوں اور اسلامی احکام نافذ ہوں جہاں اسلامی احکام نافذ نہ ہوں وہ دارالاسلام نہیں ہے (اگرچہ مسلمان وہاں آباد ہوں) **(احکام اھل الذمة 166/1).**

علمائے دعوت نجدیہؒ کہتے ہیں کسی ملک یا شہر کو دارالکفر کب کہا جائے گا اس بارے میں ابن مفلح کہتے ہیں جس ملک میں مسلمانوں کے احکام رائج ہوں وہ دارالاسلام ہے اور اگر (مسلمانوں کی آبادی والے ملک میں) کفر کے احکام غالب ہوں تو وہ دارالکفر ہے ان دونوں قسموں کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ **(الدرر السنية 353/7 کتاب الجهاد)**

شیخ سلیمان بن سحمان النجدیؒ فرماتے ہیں جب دارالاسلام پر کفار کا غلبہ ہو جائے کفر کی بنیاد وہاں فراہم ہوگئی ہے اپنے شعری مجموعہ دیوان عقود الجواہر میں فرماتے ہیں جب دارالاسلام پر کفار غالب آ جائیں اور اعلانیہ کفر کے احکام جاری کر دیں شرع محمدی ﷺ کے احکام بیکار چھوڑ دیں اس ملک میں کہیں بھی اسلام نظر نہ آتا ہو تو ہر محقق اسے دارالکفر کہے گا جیسا کہ مذاہب پر تحقیق کرنے والے علماء کہہ چکے ہیں (اگرچہ) ہوسکتا ہے اس میں کوئی نیک اور صالح عمل کرنے والا بھی ہو (مگر ایسے چند افراد کے نیک عمل سے وہ ملک دارالاسلام نہیں بنے گا جب تک کہ اسلامی احکام نافذ نہ ہوں)۔

شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ اس اسلامی ملک سے ہجرت کریں گے جہاں (لوگوں کا بنایا ہوا) قانون رائج ہو شیخ نے جواب دیا جس ملک میں ایسا قانون رائج ہو وہ اسلامی ملک نہیں وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے اسی طرح جب بت پرستی شروع ہو جائے اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو ہجرت واجب ہے کفر کفر کو ہی رواج دے گا ایسے ممالک کفریہ ہیں اور ان میں کفر ہی بڑھتا رہے گا۔ **(فتاوى الشيخ محمد بن ابراهيم 188/6)**۔

2۔ دوسرا راستہ چھٹکارے کا یہ ہے کہ جو امام بخاریؒ نے **کتاب الایمان باب من الدین الفرار من الفتن** میں ابوسعید خدریؓ کی روایت میں بیان کیا ہے کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ عنقریب کسی مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چرا رہا ہو اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے (شہروں، آبادیوں) سے بھاگ رہا ہو۔ (علیحدہ رہ رہا ہو)

3۔ تیسری صورت چھٹکارے کی یہ ہے کہ مسلمان موحد کو چاہیئے کہ ایسا ملک، شہر، گاؤں تلاش کرے کہ جس میں نہ کفر غالب ہو اور نہ اسلام نافذ ہو وہاں جا کر رہے تا کہ اپنے دین و دنیا کی حفاظت کر کے زندگی گذار سکے۔

4۔ چوتھی صورت ان گروہوں کے لئے ہے جنہوں نے نہ ہجرت کی اور نہ علیحدہ رہتے ہیں جیسے کہ وہ گاؤں یا شہر جو دارالکفر میں ہیں (مگر وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے) کہ وہ اپنے ہاں کسی عالم کا تقرر کریں یا قاضی مقرر کریں جو ان کے فیصلے شریعت کے مطابق کرتا ہو اور یہ لوگ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ اپنے تمام فیصلے اور تنازعات اسی عالم یا قاضی کے پاس لے جائیں گے امام نوویؒ فرماتے ہیں مسلمان حکمران پر لازم ہے کہ وہ ہر شہر اور علاقے میں قاضی کا تقرر کرے جہاں ضرورت ہو یا صوبے کے گورنر کی ذمہ داری لگائے کہ وہ قاضی کا تقرر کرے اگر چہ وہ تقرر کرنے والا گورنر خود قاضی بننے کا اھل نہ ہو مگر پھر بھی وہ قاضی مقرر کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف مرکز کا نمائندہ ہے اس طرح جب مسلمانوں میں سے کسی کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار مل جائے تو اسے چاہیئے کہ اپنے والد، بیٹے کو قاضی نہ بنائے جس طرح کہ یہ خود قاضی بننے کا مجاز نہیں ہے یا اگر شہر والوں سے کہا جائے کہ تم لوگ باہمی مشورے سے کسی کو قاضی بنادو تو یہ طریقہ بھی صحیح ہے۔ (ابن کج کہتے ہیں صحیح رائے یہی ہے)(**روضة الطالبين 106/8**)

امام ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں اگر حکمران وقت کسی کو قاضی مقرر کر دے تو یہ جائز ہے وہ قاضی اس حکمران کا ایک قسم کا وکیل و نمائندہ ہوگا جسے فیصلے کرنے کا اختیار ہوگا جیسا کہ خرید و فروخت میں مالک کسی کو نمائندہ مقرر کرتا ہے اور اگر حکمران وقت نے کسی کو یہ اختیار دیا کہ وہ قاضی کا تقرر کرے تو اس شخص کو اس بات کا اختیار نہیں کہ یہ خود قاضی بن جائے یا اپنے والد یا بیٹے کو قاضی بنائے جس طرح کہ کسی کو زکاۃ وصول کرنے کا اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے باپ یا بیٹے کو دے دے یا خود زکاۃ کا مال رکھ لے۔ الا یہ کہ باپ یا بیٹا اس عہدے کے اہل ہوں تو انہیں قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے (جس طرح کہ زکاۃ کے مستحق ہونے کی صورت میں باپ یا بیٹے کو زکاۃ دے سکتا ہے) اس لئے کہ ایسی صورت میں باپ بیٹا بھی ان افراد میں شامل ہوں گے جن میں سے قاضی کا تقرر ہونا ہے (**المغنی 383/11**)۔

(اس بارے میں علماء کی آراء آگے تفصیل سے آنے والی ہیں ان شاءاللہ)

یہ چار صورتیں تھیں اس فتنے سے چھٹکارے کی اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے تمام فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں ہم شیخ سلیمان بن سحمان کا قول پیش کر کے اس بحث کو سمیٹتے ہیں شیخ سے سوال کیا گیا کہ حالت اضطرار میں طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا کیسا ہے؟ شیخ نے جواب اس طرح دیا۔

1۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ تحاکم الی الطاغوت کفر ہے تو اللہ کا فرمان ہے کہ کفر قتل سے بڑھ کر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرہ:217)

کفر قتل سے بڑھکر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ.(البقرہ:191)

فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔

فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے فتنہ سے مراد کفر ہے اگر کسی شہر یا گاؤں کے لوگ آپس میں لڑنا شروع کر دیں اور اس باہمی قتال میں سب مر کر ختم ہو جائیں تو یہ اس سے کم جرم ہے کہ ملک میں طاغوت مقرر کر کے اس کے ذریعہ سے خلاف شریعت فیصلے کرائے جائیں حالانکہ اللہ نے اسلام دے کر رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔

2۔ جب تحاکم کفر ہو اور جھگڑے صرف دنیاوی اغراض کے ہوں تو ان کے لئے کفر کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس لئے کہ انسان صرف اس میں مومن ہو سکتا ہے جب اللہ اور اسکا رسول ﷺ اسے ہر چیز سے زیادہ پسند و محبوب ہوں یہاں تک کہ اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اگر کسی کی ساری دنیا برباد ہو رہی ہو تو اس کو بچانے کے لئے طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص آپ کو اس بات پر مجبور کرے کہ یا تو طاغوت کا فیصلہ مانو یا ساری دنیاوی دولت مال واسباب سے دست بردار ہو جاؤ تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ طاغوت کا حکم مان لیں۔ **(الدرر السنية 510/10)** ہر مسلمان مرد و عورت جس کا ارادہ ہو کہ اپنے دین و توحید کی حفاظت کرے تو اسے چاہیئے کہ اپنا ہر تنازعہ علماء شرع کے پاس لے جائے جو ان کے تنازعات کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کریں۔

طاغوت کے پاس کوئی بھی تنازعہ لے کر نہ جائے اس لئے کہ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا طاغوت پر ایمان لانا ہے اور اس کی عبادت میں شمار ہے لہٰذا ہر شخص کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ قیامت کے دن طاغوت کا تابعدار بن کر اٹھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع کرے گا ان سے کہے گا جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے جائے تو سورج کے پجاری سورج کے پیچھے جائیں گے چاند کی پوجا کرنے والے چاند کے پیچھے طاغوت کی پرستش کرنے والے طاغوت کے پیچھے جائیں گے۔ (بخاری)

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں مسلمان ہی زندہ رکھے اور اسلام کی حالت میں موت دے اور آخرت میں صالحین کے ساتھ اٹھائے۔ ہمیں دنیا میں فتنوں سے اور آخرت میں رسوائی سے محفوظ رکھے۔

و صلی اللہ علی النبی الأمی محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین .

شرعی قاضی نہ ہوتو کسی شخص کو حاکم بنایا جا سکتا ہے؟

ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث ہے۔

اذا خرج ثلاثۃ فی سفر فلیأمروا احدھم .

جب تین افراد سفر میں جارہے ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنائیں۔

اس حدیث کی شرح میں خطابیؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے یہ حکم اس لئے دیا ہے تاکہ یہ تینوں (یا زیادہ بھی ہوں) آپس میں متفق ومتحدرہیں اپنی آراء کی وجہ سے کسی بات پر اختلاف نہ کریں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب دوآدمی کسی کو اپنے کسی تنازعے کے لئے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیں تو پھر اس شخص کا فیصلہ نافذ ہوگا اس پر عمل کرنا ہوگا۔**(معالم السنن :260/2)**

ابوبکر بن منذرؒ کہتے ہیں اگر قاضی کے علاوہ کسی اور شخص نے کوئی فیصلہ کرلیا اور وہ جائز امور میں سے تھا تو وہ فیصلہ ماننا ہوگا اس پر علماء کا اجماع ہے یہاں قاضی سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام کے قاضی کے علاوہ کوئی اور قاضی ہو۔اور ابن منذر نے یہ جو کہا ہے کہ وہ فیصلہ جائز امور میں سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شرعی لحاظ سے جائز ہو **(کتاب الاجماع ص 75)** امام ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں جب دوآدمی کسی کو اپنا حاکم (یعنی فیصلہ کرنے والا یا جج) بنالیں اور اس کے فیصلے پر رضامند ہوں اور وہ شخص قاضی بننے کی اہلیت رکھتا ہو تو اسکا کیا ہوا فیصلہ جو اس نے ان دو افراد کے مابین کیا ہوگا قابل نفاذ وقابل عمل ہوگا یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے اور امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول منقول ہیں ایک میں وہ کہتے ہیں کہ جب دونوں فریق اس شخص کے فیصلے پر راضی ہوں گے تو تب نافذ ہوگا اسلئے کہ اس کا حکم دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے اور رضامندی کا اظہار اس کے فیصلے کے بعد ہی ہوگا جبکہ ہماری دلیل ابو شریح کی روایت کردہ حدیث ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حکم اللہ کا نام ہے تو تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے؟ ابوشریح نے کہا کہ اس لئے کہ میری قوم میرے پاس آتی ہے تو میں ان کے فیصلے کرتا ہوں اور فریقین میرے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا شریح۔

آپ ﷺ نے فرمایا تو تم ابوشریح ہو۔**(نسائی).**

نبی ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''**جس نے دوفریقوں میں فیصلہ کیا اور دونوں اس کے فیصلے سے راضی تھے پھر بھی اس شخص نے انصاف نہ کیا تو یہ ملعون ہے**''۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس شخص کا فیصلہ قابل نفاذ وقابل عمل نہیں ہے تو پھر (عدل نہ کرنے پر) اس کی مذمت کیوں کی گئی ہے۔

اسی طرح دیگر واقعات بھی ملتے ہیں کہ کسی بھی اہل شخص سے فیصلے کرائے گئے ہیں۔ جیسا کہ عمرؓ اور ابیؓ زیدؓ کے پاس تنازعہ لے گئے تھے عمرؓ ایک اعرابی کا تنازعہ شریح کے پاس لے گئے تھے جبکہ ابھی وہ قاضی نہیں بنا تھا۔ عثمانؓ اور طلحہؓ جبیر بن مطعمؓ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے گئے تھے حالانکہ وہ قاضی نہ تھے۔ **(المغنی :383/11).**

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں اگر دو آدمی عوام میں سے کسی کے پاس اپنا تنازعہ فیصلہ کرانے کے لئے لیجائیں اگرچہ شہر میں قاضی موجود ہی کیوں نہ ہو تو اس شخص کا فیصلہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ عمر بن خطاب اور ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ کے پاس فیصلہ لے گئے تھے اسی طرح علی بن ابی طالبؓ نے امامت کے بارے میں فیصلہ کیا تھا تو دیگر امور میں بدرجہ اولی جائز ہے۔ **(الحاوی الکبیر 325/16)**

قاضی ابو یعلی الحنبلیؒ الاحکام السلطانیہ میں فرماتے ہیں اگر کوئی ملک یا شہر قاضی سے خالی ہو محروم ہو اور اس شہر کے لوگ اس بات پر اتفاق کرلیں کہ کسی شخص کے فیصلے ان لوگوں کو ماننے ہوں گے۔ **(الأحکام السلطانیہ ص73)**

ابن عابدین حنفی کہتے ہیں اگر کفار کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کا سربراہ، نگران، حکمران نہ رہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک شخص کو فیصلوں کی اور جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری پر مقرر کردیں نیز فرماتے ہیں جن شہروں یا ملکوں پر کفار حکمران ہیں وہاں کے مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ جمعہ اور عید کی نمازیں ادا کریں اور باہمی رضامندی سے ایک قاضی مقرر کردیں اپنا سربراہ بھی کسی کو بنالیں مزید فرماتے ہیں اگر (مسلمان) بادشاہ نہ ہو یا اور کوئی ایسا شخص جس کی رہنمائی حاصل کی جائے جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ہے جیسا کہ قرطبہ وغیرہ تو ایسے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو ذمہ داری سونپ دیں کہ وہ انکا قاضی بن کران کے تنازعات کے فیصلے کرے اور ایک امام مقرر کر دیں جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھائے۔ **(حاشیہ رد المختار علی الدر المختار 308/4 و بعضہ فی 253/3)**

اقوام متحدہ کے فیصلے ماننا؟

اللہ کی شریعت کے بجائے دوسروں کے فیصلے ماننے کے عمل میں اقوام متحدہ کا سہارا بھی شامل ہے اس لئے کہ اس میں اقوام متحدہ کے فیصلوں اور قوانین کی پابندی کرنی پڑتی ہے اقوام متحدہ کے منشور ص 2 پر درج ہیں ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ہم یہ عزم کرتے ہیں کہ ہم خود پر درگذر لازم کردیں اور سب مل کر باہمی امن وسلامتی کو یقینی بنائیں اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اپنی تمام قوتیں اس مقصد کے لئے مجتمع کریں کہ تمام ممالک کی سلامتی اور تحفظ کی کوشش کریں اور ہم اس بات کی ضمانت دیں کہ مسلح قوت صرف مشترکہ مصلحت کے لئے ہی استعمال ہوگی اور تمام ممالک کے وسائل اقوام متحدہ میں شامل ممالک کی اقتصادی ومعاشرتی ترقی کے لئے استعمال ہوں گے۔

اس منشور سے جہاد فی سبیل اللہ باطل ہوجاتا ہے جس میں اس بات کی ضمانت ہوتی ہے بلکہ جہاد کا مقصد اول یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔اس طرح اس منشور کے ماننے سے جزیہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔اس طرح منشور کے ص 5 پیراگراف نمبر 1 میں اقوام متحدہ کے مقاصد میں ہے۔

1۔ **حکومتوں میں باہمی امن وسلامتی** اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ میں شامل ممالک مل کر کوششیں کریں گے کہ ایسے اسباب کی روک تھام ہوسکے جن سے باہمی امن وسلامتی کو خطرہ ہواور باہمی امن کو تباہ کرنے والے دشمنوں سے مشترکہ طور پر نمٹنا اور سلامتی کے ذرائع اختیار کرنا ہوگا عدل وانصاف اور حکومتوں کے قوانین میں نرمی لانا تاکہ حکومتوں اور ملکوں کے درمیان ان تنازعات کا فیصلہ کیا جاسکے جن سے امن وسلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔

2۔ **اقوام عالم کے تعلقات کی بنیاد** باہمی احترام، مساوات اور حقوق کی پاسداری پر مبنی ہوں گے تاکہ ہر قوم اپنے مقاصد کی طرف بڑھتی رہے اسی طرح امن عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دیگر ذرائع بروئے کار لائے جائیں گے۔

3۔ **حکومتوں اور ملکوں کے باہمی تعاون** میں اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور انسانی رنگ غالب ہوگا حقوق انسانی کا احترام بنیادی آزادی تمام لوگوں کے لئے اور تمام افراد عالم کو ان باتوں پر آمادہ کرنا انہیں ترغیب دلانا بلاتفریق رنگ ونسل وجنس، زبان اور دین۔

اس منشور کے پیراگراف نمبر 1 میں غور کریں کہ باہمی سلامتی کو تباہ کرنے والے دشمنوں سے نمٹنے اور عدل و

انصاف قائم کرنے کے لئے تمام حکومتوں اور ملکوں کے وسائل کو مشترکہ طور پر اختیار کرنا دراصل صراحت کے ساتھ جہاد کو باطل قرار دینا ہے اور دنیا کے ہر معاملے کا فیصلہ ان کے قوانین کے پاس لیجانا ہوگا جو کہ تحاکم الی الطاغوت ہی ہے اس طرح دوسرا پیراگراف دیکھیں جس میں حقوق وآزادی انسان کو بلاتفریق کہا گیا ہے اس میں یہ فرق ہی نہیں کیا جاتا کہ کون رب العالمین کے ماننے والے اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور کون بتوں، صلیب، پتھر، گائے کے پجاری ہیں ہر ایک کے حقوق یکساں ہیں اب جو شخص اقوام متحدہ کا ساتھ دے گا وہ ان تمام باطل قوانین کو تسلیم کرے گا۔

پیراگراف نمبر 4 دفعہ نمبر 1 میں ہے اقوام متحدہ کی حمایت وتعاون ان تمام ممالک کو حاصل رہیگا جو اس کے منشور پر عمل پیرا رہیں گے اور جو دنیا میں امن وسلامتی کے لئے کام کریں گے اقوام متحدہ کے پاس اتنی قوت ہے کہ وہ اپنا منشور لاگو کر سکے اور اس کی کوششیں بھی اس کے لئے جاری ہیں پیراگراف نمبر 6 میں ہے جب اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں سے اگر کسی نے اس منشور کی خلاف ورزی کی تو سلامتی کونسل اس کی رکنیت برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرے گی۔

ان کفریہ دفعات میں اس بات کی مکمل کوشش کی گئی ہے کہ جہاد جزیہ کافروں سے دوستی یا دشمنی کا اسلامی معیار ختم کر دیا جائے اور دین اسلام کو صرف ایک علاقے یا چند ممالک کا دین بنا دیا جائے اس کی عالمگیریت کو ختم کر دیا جائے کفار سے جنگ کرنی ہو تو وہ بت پرستوں کے جھنڈے تلے ہو اور ان کی اندھی آراء کے ماتحت ہو۔ دراصل موحدین کے خلاف یہ جنگ ہے تنازعات کے وقت ملکی قوانین کی طرف رجوع کرنا یا موحدین کے خلاف اس طرح کی جنگ کرنا اسلام سے ارتداد (کفر) ہے جو بھی ملک اقوام متحدہ کی رکنیت رکھتا ہے وہ اعلانیہ کفر کا علم بردار ہے اس لئے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی واضح مخالفت موجود ہے اور اس کو ہم مندرجہ ذیل طریقوں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

1۔ پیراگراف نمبر 4 اور 6 میں اس کا ثبوت موجود ہے اگر اقوام متحدہ کا سہارا لیا جائے تو؟

2۔ مسلمان موحد اور کافر بت پرست کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے نہ حقوق میں نہ فرائض میں اس طرح جزیہ ساقط کیا گیا ہے پیراگراف نمبر 1 دفعہ نمبر 3 میں گذر چکا ہے۔

3۔ جہاد فی سبیل اللہ ساقط کیا گیا ہے جیسا کہ پیراگراف نمبر 1 دفعہ نمبر 1 میں بیان ہو چکا ہے۔

4۔ فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور قراردادیں بھی اکثریت کی رائے کے مطابق پاس ہوتی ہیں اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کے احکام کو اہمیت نہیں دی جاتی جیسا کہ پیراگراف نمبر 18 دفعہ نمبر 2 میں ہے اقوام متحدہ کے اجلاس میں اہم مسائل پر قراردادیں دوتہائی اکثریت سے منظور ہوں گی یہ دوتہائی اکثریت اجلاس میں شریک ممالک کی رائے شماری میں حصہ لینے سے ثابت ہوگی اہم مسائل سے مراد ہے کہ حکومتوں اور ملکوں کے مابین سلامتی کے امور، سلامتی کونسل کے غیر مستقل ارکان کا انتخاب اقتصادی انسانی حقوق غربت کے خاتمے وغیرہ کیلئے کمیٹیوں کے ارکان کا انتخاب وغیرہ ہے۔

5۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرانے والی امن فوج کی تمام تر ہمدردیاں کافر ممالک کے ساتھ ہوتی ہیں جنکا وہ عملی مظاہرہ بھی کرتی رہتی ہے اور سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے ساتھ زیادہ ہمدردی رکھتی ہے جن میں چین، فرانس، روس، برطانیہ اور امریکہ شامل ہیں سلامتی کونسل کے ان ارکان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اقوام متحدہ کی امن فوج انہی کی قیادت میں جنگ کرتی ہے۔ (پیراگراف نمبر 23 دفعہ نمبر 1)

سلامتی کونسل کے مستقل ارکان میں 15 ممالک شامل ہیں وہ بھی اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں سے ان میں جمہوریہ چین، فرانس، روس (اشتراکی جمہوریتیں) متحدہ برطانیہ، شمالی آئرلینڈ، امریکی متحدہ ریاست، یہ مستقل ارکان ہیں جبکہ دیگر دس غیر مستقل ارکان کا انتخاب اقوام متحدہ میں شامل دیگر ممالک میں سے کیا جاتا ہے مگر اس انتخاب میں بھی ایک خاص جغرافیائی یا دیگر پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا ہے جس طرح کہ پہلے مختلف دفعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ امن فوج ان ارکان کے تحت ہی جنگ کرتی ہے یعنی ان مشرک ممالک کے تحت (کوئی بھی اسلامی ملک سلامتی کونسل کے مستقل ارکان میں شامل نہیں ہے)

پیراگراف نمبر 46 میں درج ہے لازمی قانون یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی امن فوج کو مسلح کاروائی کا اختیار صرف سلامتی کونسل کی قائم کردہ کمیٹی کے پاس ہی ہے۔

پیراگراف نمبر 47 دفعہ نمبر 1 میں ہے کہ امن فوج کو جنگی کاروائی کیلئے استعمال کرنے والی کمیٹی سلامتی کونسل کو مشورہ دیگی اور اسکا تعاون حاصل کریگی کہ امن قائم کرنے کیلئے اور سلامتی کونسل کے ماتحت اور اسکی قیادت میں مسلح کاروائی یا اسلحہ کی تلاش یا کسی کو غیر مسلح کرنا وغیرہ کیلئے ضروری ہے کہ سلامتی کونسل سے منظوری لے۔

پیراگراف نمبر 48 دفعہ نمبر 1 میں ہے سلامتی کونسل کی قرارداد جو امن عالم کے سلسلے میں ہو اس پر ارکان اقوام متحدہ تمام یا کچھ عمل کرائیں گے۔

6۔ دوستی اور دشمنی کا اسلامی معیار ختم کر دیا گیا ہے۔جیسا کہ پیرا گراف نمبر 76 دفعہ ج میں ہے۔حقوق انسانی کے لئے اقدام کرنا انسانی آزادی کے لئے جدوجہد جو کہ بلاتفریق جنس، زبان، دین، مرد عورت، ہو اور اقوام عالم میں سے جن جن کے آپس میں معاہدات ہیں ان کی پاسداری۔

6۔ یہ عہد کہ طاغوت کے پاس فیصلے لے جائے جائیں۔جیسا کہ پیرا گراف نمبر 92 میں ہے۔

عالمی عدالت اقوام متحدہ کی اعلی اختیاراتی فیصلہ کرنے والی عدالت ہے یہ عدالت اقوام متحدہ کے بنیادی منشور کے مطابق عمل کرتی ہے اور یہ عدالت اس بنیادی نظام پر قائم ہے جو تمام مما لک میں عدل قائم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ اقوام متحدہ کے منشور سے انحراف کی مجاز نہیں ہے۔

پیرا گراف نمبر 94 دفعہ نمبر 1 میں ہے اقوام متحدہ کا ہر رکن اس عہد کا پابند ہے کہ وہ عالمی عدالت انصاف کے فیصلے کو تسلیم کرے چاہے کسی بھی مسئلے سے متعلق فیصلہ ہو۔

ان تمام دفعات میں دین اسلام اور توحید جو انبیاء کرام لائے تھے ان سے مکمل متضاد و متصادم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (وہ ان سے کہتا تھا) اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

(النحل:36)۔

اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرنے والا ہر ملک کفر اکبر میں مبتلا ہو چکا ہے اس لئے کہ اس شمولیت کی وجہ سے تحاکم الی الطاغوت کی طرف چلا گیا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے اور اسی طرح جہاد، جزیہ کو باطل کر دیا مشرکین سے دوستی اور موحدین کے خلاف ان کی مدد کی ان اقوام کے ان جھنڈوں تلے جمع ہو گئے ہیں جن پر صلیب اور بت بنے ہوئے ہیں ان کے ملکی قوانین ورواج ان کے سرکاری رسوم کے تابع ہو گئے ہیں اور اس آئین کی پاسداری کا عہد کیا ہے جس میں منشور سے مکمل اتفاق اور اس پر عمل لازم ہے اور اقوام متحدہ کے قراردادوں کی منظوری غالب اکثریت سے ہوگی رب کے حکم پر نہیں اگر چہ یہ قرارداد یہود سے قتال کی ممانعت ان کے ظالمانہ قبضوں کے جواز کی ہی کیوں نہ ہو اب کوئی بھی مؤحد حکومت اگر فی سبیل اللہ جہاد کرنا چاہے گی تو وہ اس ملحد اقوام متحدہ کے تحت ہی کرے گی کہ اس کے منشور میں ان حدود کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے رو سے تمام انسان برابر ہیں چاہے مسلمان ہوں یا کافر سب کے حقوق وفرائض

برابر ہیں ایسی صورت میں اب نہ جہاد رہا نہ جزیہ نہ غنیمت نہ قیدی اور یہ تمام قوانین ایسے ہیں کہ جن پر رکن ممالک کے لئے عمل کرنا لازم ہے وہ اسکا عہد کر چکے ہیں جو بھی ملک ان قوانین کی مخالفت کرے گا وہ خود ہی اقوام متحدہ کی طرف سے جنگ کا سامنا کرے گا اقوام متحدہ کے اس منشور کی اعلانیہ یا باطنی موافقت اسلام سے صریح ارتداد ہے۔

رسالہ سوم

اس رسالے میں ہم سلف صالحین کے انداز میں علمی رد کریں گے ان لوگوں کی آراء کا جو موجودہ قانون ساز اسمبلیوں میں شرکت کو جائز سمجھتے ہیں یہ رد دو طرح سے ہوگا نمبر 1 اجمالی انداز سے نمبر 2 تفصیلی۔ جس میں ان شبہات کا ازالہ کیا جائے گا جو اس مسئلہ کے بارے میں بعض لوگوں کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔

اجمالی ردّ

کسی مسلمان کو اس بات میں شک شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو اس کی مخلوق میں جاری و ساری ہیں مثلاً اللہ نے سب کو پیدا کیا انہیں رزق دے رہا ہے انہیں زندگی اور موت دے رہا ہے ان کے تمام امور کی تدبیر کر رہا ہے انہیں فائدہ ونقصان اس کی طرف سے پہنچ رہا ہے وہی ہر چیز کا مالک ہے وہ ان کو احکام دے رہا ہے۔ اس طرح کوئی مسلمان اس بات میں بھی شک نہیں کرتا کہ اللہ کے احکام میں سے یہ بھی ہیں کہ وہ حلال کرتا حرام کرتا ہے یعنی کسی عمل یا چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔

حلال قرار دینے کی مثال یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تمام پاکیزہ اشیاء حلال قرار دی ہیں جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور نکاح کے ذریعہ سے عورتوں کو حلال قرار دینا۔

حرام قرار دینے کی مثال یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تمام ناپاک چیزیں وافعال حرام قرار دی ہیں جیسے بدکاری شراب وغیرہ۔

شریعت: شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے احکام وقوانین بنائے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ، حدود، میراث وغیرہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ہر موحد یہ عقیدہ رکھے کہ ان تینوں صفات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اب اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی حکومت ایسی ہے جس نے ان امور کے حلال وحرام کرنے کا اختیار اپنا لیا ہے جو اللہ کے حرام کردہ یا حلال کردہ ہیں یا دیگر ایسے امور دنیا میں حلال وحرام جائز ناجائز قرار دینا شروع کر دیا ہے اور اس حکومتی اختیار کو حلال وحرام قرار دینے کا مجاز قرار دیا جائے تو کیا ہم مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ ہم دعوت یا اسلام

کے لئے مصلحت کے بہانے سے اسمیں شمولیت اختیار کرلیں؟ کیا کسی بھی انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس اسمبلی میں کسی کو نامزدگی کے ذریعے سے مقرر کردے اور نامزد کرنے والے کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ یا ایسی اسمبلی جس نے حلال وحرام قرار دینے کا اختیار اپنا لیا ہو اسمیں کسی کی تائید کرنے والے (کسی کو ووٹ دیکر ممبر منتخب کرنے والے) کا کیا شرعی حکم ہے؟

ان سوالوں کا جواب اتنا واضح ہے کہ ہر وہ مسلمان جانتا ہے جو لا الہ الا اللہ کا مقصد جانتا ہو نامزد کرنے والا شرک اکبر کا مرتکب ہوا ہے اور تائید وحمایت کرنے والا بھی اسی طرح برابر کا شریک ہے اس بات کی مخالفت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے واقف نہ ہو اس لئے کہ توحید صرف تین امور کی بنا پر ثابت ہوتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔

اعتقاد۔قول۔عمل۔

ایمان وتوحید کے قبول کرنے میں سلف کا یہی عقیدہ تھا اگر کسی انسان کی نیت صحیح اور قول سچا ہے لیکن عمل ان کے مخالف ہے کہ وہ عمل شرکیہ ہے تو اس کو قول یا نیت کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ توحید کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل، زبان، اور عمل سے ہو اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی کمی رہی تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔

ایسا شخص جو ان اسمبلیوں میں جانا یا کسی کو بھیجنا جائز سمجھتا ہے اگر وہ یہ سوال کرے کہ ایسی مجلس یا اسمبلی جس میں حلال وحرام کے فیصلے ہوتے ہوں اور ایسی اسمبلی جس میں کچھ عقل مند لوگ آئیں رسم ورواج کے مطابق قوانین وضع کرتے ہوں اور ارکان مجلس کو اس کا حق بھی حاصل ہوتا ہے ان دونوں مجلسوں میں کیا فرق ہے؟ اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اگر اس قانون ساز اسمبلی نے کوئی قانون بنایا اور وہ شریعت سے متصادم ہوا یا شریعت سے آگے بڑھنے کی کوشش کی گئی تو وہ قانون مسترد ہوگا اس کے بعد غالب اکثریت سے ایسا قانون بنے گا جو شریعت کے موافق ہوگا اور یہ بھی حقوق اللہ سے متعلق نہیں بلکہ دیگر دنیوی امور سے متعلق ہوگا جبکہ اسمیں یعنی جس اسمبلی میں حرام وحلال کا اختیار حاصل کیا ہوا ہوتا ہے اس میں قانون سازی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی شریعت پر ایک اور شریعت بنائی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے اللہ کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد:41).

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کی طرف آتے ہیں اوراس کے اطراف میں سے کمی کرتے ہیں اللہ حکم کرتا ہے اس کے حکم کا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں ہے وہ اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

یہ اجمالی جواب ہے ان لوگوں کو جو ان اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھتے ہیں ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ان الفاظ کو سمجھے اور ان لوگوں کو جواب دے اللہ کے ہاں خود کو ان لوگوں کے عمل سے بری قرار دلوائے۔

تفصیلی ردّ

پہلے ہم اس بات کے دلائل دیں گے کہ ان اسمبلیوں میں جانا حرام ہے اور یہ عمل شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

پہلی دلیل: اللہ کا فرمان ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (الشوری:21)

کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لئے ایسی شریعت بناتے ہیں جسکی اجازت اللہ نے نہیں دی؟

ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ زنا، چوری، بہتان کی سزائیں دین اسلام کے احکام میں سے ہیں مگر یہ ممبران اسمبلی ان کے لئے بھی قوانین بناتے ہیں حالانکہ یہ قانون سازی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز ہی نہیں اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ جن کو ایسے قوانین کا اختیار دیا جا رہا ہے انہیں اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے ایسے میں ہم نیت یا قول کو نہیں دیکھیں گے کہ جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کرسیوں کی مثال بھی ایسی ہے جیسے دعوت کے لئے منبر ہیں یہ غلط ہے ان کرسیوں پر بیٹھنے والے خود کو کچھ بھی کہیں ہیں وہ قانون ساز کہ وہ قوانین وضع کر رہے ہیں اور آئین کی رو سے وہ اس بات کے مجاز ہیں لہٰذا یہ ایک ذریعہ ہے مشرع بننے کا اور مسلمان کے نزدیک مشرع (قانون ساز) بننے کا حق کسی کو نہیں یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا ہے شرکیہ طریقہ ہے کسی بھی تاویل سے اس کی صورت تبدیل نہیں ہوسکتی نہ ہی کسی طرح اسے پسندیدہ کہا جاسکتا ہے شرکیہ اس لئے ہے کہ اللہ کی صفات کی نقل یا مشابہت کی جارہی ہے (قانون سازی کی صفت کی)۔

2 دوسری دلیل۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قانون ساز اسمبلی کے ارکان جب کسی مسئلہ پر باہم اختلاف کرتے ہیں تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے طاغوت یعنی آئین کی طرف رجوع کرتے ہیں اپنا یہ اختلاف وتنازعہ اپنے جیسے انسانوں کے مرتب کردہ آئین سے حل کراتے ہیں وہ آئین ہی ان کے تنازع میں حاکم وفیصل ہوتا ہے جبکہ یہ عمل اسلام وایمان کے منافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَعِيْدًا **(النساء:60)**

(اے محمد ﷺ) کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنکا دعوی ہے کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں جبکہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے تنازعات طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

علامہ شیخ سلیمان بن عبداللہ اپنی کتاب **تیسیر العزیز الحمید ص 419** میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ طاغوت یعنی کتاب وسنت کے علاوہ دوسروں کے فیصلوں کو چھوڑنا فرائض میں سے ہے اور جو کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے وہ مومن نہیں بلکہ مسلمان تک نہیں ہے۔

علامہ محمد جمال الدین سلفی قاسمیؒ اپنی تفسیر محاسن التاویل میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت سے فیصلہ کرانا طاغوت پر ایمان کہلاتا ہے اور طاغوت پر ایمان اللہ کے ساتھ کفر ہے جس طرح کہ اللہ پر ایمان طاغوت کا انکار ہے۔ (اس بارے میں علماء کے اقوال پہلے گذر چکے ہیں)۔

3۔تیسری دلیل:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً **(النساء:59)**

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں (ان کا کہا مانو) اگر تم آپس میں کسی معاملے میں تنازع کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول (کتاب وسنت) کی طرف لیجاؤ اگر تمہارا اللہ ویوم آخرت پر ایمان ہو؟ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے انتہائی متوازن ہے۔

ابن قیمؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں یہ آیت قطعی دلیل ہے اس بات پر کہ لوگوں کے درمیان کسی بھی قسم کا دینی تنازع ہو وہ اللہ ورسول کی طرف لیجانا ضروری ہے اللہ ورسول کے علاوہ کسی اور طرف لیجانا جائز نہیں ہے جو شخص

تنازع کسی اور طرف لیجانا حلال قرار دے تو وہ اللہ کے حکم کے متضاد فیصلہ کرتا ہے اور اگر کسی نے تنازع کے وقت اللہ و رسول کے علاوہ کسی اور طرف لیجانے کی دعوت دی تو وہ جاہلیت کی دعوت شمار ہوگی اس طرح کے لوگ ایمان میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام تنازعات اللہ و رسول ﷺ کی طرف نہ لیجائیں اس لئے کہ آیت میں ان کنتم .... میں ایمان کی شرط اس کو قرار دیا گیا ہے اور جب شرط معدوم ہوتی ہے تو مشروط خود بخود معدوم ہو جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ و رسول کے علاوہ کسی اور کو تنازعات میں فیصل و حکم بناتا ہے وہ اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔

دلیل کے طور پر یہی ایک فیصلہ کن آیت کافی ہے جس سے ماننے والوں کی تشفی اور نہ ماننے والوں پر حجت قائم ہوسکتی ہے۔(**الرسالة التوبكية للامام ابن قيم الجوزية ص 133 طبعة دار ابن حزم**)۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں آیت میں حکم ہے کہ تنازعات و اختلافات کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لیجاؤ(اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص تنازعات کتاب و سنت کی طرف نہیں لیجاتا تو اسکا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

4۔ چوتھی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان ہے:

وَاللهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد:41)

اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اگر ہم یہ تصور کرلیں کہ قانون ساز اسمبلی کا کوئی رکن قوانین کا موازنہ شروع کرے اور اللہ کے احکام کو اسمبلی میں پیش کرے اور پھر اس کے نفاذ کے لئے تائید حاصل کرے اکثریت تلاش کرے اور اس کے بعد اگر اکثریت حاصل ہوتی ہے تو اللہ کا حکم قبول ہوگا اگر اکثریت نہیں تو حکم رد ہوگا دونوں صورتوں میں اللہ کے حکم کی اس توہین سے بڑھ کر کفر کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے حکم کو قبول یا رد کے لئے انسانوں کے سامنے پیش کر دیا گیا ایسی صورت میں پیش کرنے والا اور اس حکم کے رد یا قبول کا فیصلہ کرنے والا دونوں کفرا کبر میں مبتلا ہو گئے اس لئے کہ حکم کو اب قبول کرنے والے نے اس کے رد یا قبول کا اختیار انسانوں کو دے دیا اور اس کو انسانوں کے سامنے اس لئے رکھا کہ اس کو چیک کریں کہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس طرح اس نے اللہ کا کلام انسانوں سے چیک کروا کر کفر کا ایک دروازہ کھول دیا ہم یہ بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا اسمبلی کا یہ رکن اسمبلی سے تائید یا رد کیلئے اللہ کے دیگر احکام بھی پیش کرے گا جیسا کہ نماز کی

رکعات کی تعداد کہ ظہر میں چار عصر میں چار یا پانچ رکعات ہونی چاہئیں یا کم وبیش اور پھر اسمبلی کی اکثریت جو فیصلہ کرے گی وہ نافذ ہوگا؟ اورآخری فیصلہ غالب اکثریت کا ہوگا؟ کیا یہ عمل کفر شمار نہ ہوگا؟ اگر ہوگا تو پھر کیا فرق ہے نماز کے احکام اور حدود وقصاص کے احکام میں کہ ایک کو اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑنا کفر ہے اور دوسرے کو اسمبلی میں پیش کر کے تائید یا رد لینا کفر نہیں ہے؟

5 پانچویں دلیل:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے مضبوط کڑا تھام لیا **(بقرہ:256)**

طاغوت سے مراد یہی دستور آئین اور قوانین ہیں جو اللہ کے احکام کے مخالف ہیں یہ سب طاغوت ہیں کہ اللہ کے احکام سے آگے بڑھ رہے ہیں اللہ کے حکم کو چھوڑ کر لوگ ان کے پاس اپنے فیصلے لیجاتے ہیں انہوں نے بتوں کی صورت اختیار کرلی ہے جنکی پوجا رہی ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے باخبر رہے کہ چار قسم کے معبود ہیں جنکی پوجا ہو رہی ہے صنم، وثن، الہ، رب، ایک لحاظ سے اگرچہ یہ الگ الگ ہیں مگر چونکہ اللہ کے علاوہ انکی پوجا ہو رہی ہے لہٰذا اس لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

صنم: کہتے ہیں جمادات میں سے کسی انسان یا حیوان کی شکل پر کوئی مجسمہ بنایا گیا ہو (پتھر، لکڑی وغیرہ سے انسان یا حیوان کا مجسمہ)۔

وثن: جمادات میں سے ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے چاہے اسے انسانی یا حیوانی شکل دی گئی ہو یا نہیں جیسے درخت، پتھر، قبر انسانوں کا بنایا ہوا دستور وغیرہ۔ اس کی دلیل نبی ﷺ کی دعا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياء هم مساجد (موطاء امام مالک)

اے اللہ میری قبر کو وثن نہ بنانا کہ اسکی پوجا ہوتی رہے اللہ کا غضب اس قوم پر بہت زیادہ ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی، قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

الٰہ: ہر وہ شے ہے جس کی طرف اللہ کی خاص عبادات میں سے کوئی عبادت پھیر دی جائے چاہے وہ انسان ہو

زندہ ہو۔ جمادات میں سے ہو شکل بنائی گئی ہو یا نہ بنائی گئی ہو اس پر یہ اللہ کا یہ قول دلیل ہے۔

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَنَسْرًا. **(نوح:23)**

اپنے خداؤں کو نہ چھوڑ نا ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر کو مت چھوڑ نا۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ **(مائدہ :116)**

جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسی ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ الہ بناؤ؟ وہ کہیں گے اللہ تو پاک ہے۔

رب: ہر وہ شئی ہے جس کے لئے اللہ کی ان عبادات میں سے کوئی عبادت بجالائی جائے جن کا تعلق ربوبیت سے ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

ان (اہل کتاب نے) اپنے علماء اور راھبوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے اور عیسی بن مریم کو حالانکہ انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ ایک الہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔ **(التوبه:31)**۔

طاغوت: یہ لفظ تمام سابقہ اقسام کو مشتمل ہے اسمیں صنم، وثن، رب، الہ، سب داخل ہیں سوائے ان انبیاء وصلحاء کے کہ جنکی عبادت کی گئی یا کیجا ئیجالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہوتے ایسے لوگ کہ جنکی پوجا کی جائے اور وہ راضی نہ ہوں تو وہ اس پوجا سے اور پوجنے والوں کے گناہ سے بری الذمہ ہیں۔ جب ایک مسلمان کو یہ معلوم ہو گیا کہ معبود کی کتنی اقسام ہیں جنکی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سب قسم کے معبود طاغوت ہیں لہٰذا وہ قوانین اور دستور جن کے پاس لوگ اپنے تنازعات لیجاتے ہیں اور وہ قوانین اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہوں تو یہ بھی طاغوت اور وثن میں شمار ہوں گے جو شخص کسی طاغوت کے احترام کی قسم کھالیتا ہے تو وہ طاغوت کا منکر نہیں ہے جبکہ طاغوت کا انکار توحید کا ایسا رکن ہے جس کے بغیر کوئی انسان مسلمان یا مؤمن نہیں ہوسکتا۔

علامہ عبدالرحمٰن بن حسنؒ آیت وقد امروا ان یکفروا بہ کے ضمن میں فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا انکار توحید کا رکن ہے جب کفر بالطاغوت نہ ہوگا تو توحید بھی نہیں ہوگا۔**(فتح المجید ص 345)**.

شبہات اور ان کا ازالہ

شبہ نمبر 1۔ کتاب مشروعیۃ الدخول الی المجالس التشریعیۃ کے ص 42 پر مصنف لکھتے ہیں کہ اگر اسلام کی شرائط اور لوازمات میں سے یہ ہوتا کہ کفار کے ساتھ کسی بھی فیصلہ کرنے والی کمیٹی یا اسمبلی سے دور رہنا ہے تو پھر نجاشی کی تعریف نبی ﷺ کبھی نہ کرتے کہ آپ ﷺ نے اسکی وفات کے موقعہ پر کہا تھا کہ رجل صالح نیک آدمی تھا۔

ازالہ: ایسا لگتا ہے کہ مصنف کے پاس کوئی مضبوط دلیل یا عذر نہیں تھا اس لئے یہ دلیل پیش کردی اس لئے کہ یہ دلیل نہیں بلکہ دین سے ناواقفیت ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کفار کے ساتھ عدم شراکت اسلام کے لوازمات میں سے نہ ہو جبکہ قرآن میں صراحت کے ساتھ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر فیصلہ کرنے والوں کو ظالم فاسق کافر کہا گیا ہے اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے جو دعوی تو اللہ کے نازل کردہ پر ایمان کا کرتے ہیں مگر فیصلے طاغوت کے پاس لیجاتے ہیں کفار کے ساتھ فیصلوں میں مشارکت سے گریز اسلام کے لوازمات میں سے کیسے نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور جن چیزوں کی اللہ کے علاوہ پوجا ہوتی ہے۔ ان سے بیزاری و دوری کو واجب قرار دیا ہے اب کسی مسلمان کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسی اسمبلی کا رکن بنے جو خود کو قانون ساز کہتی ہو جبکہ اللہ نے قانون ساز کو شریک اور رب کہا ہے مسلمان کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے خلاف کسی اور قانون کے پاس اپنا فیصلہ لے جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس تحاکم کو عبادت قرار دیا ہے اور جو شخص طاغوت کے پاس فیصلے لے جاتا ہے اسے مشرک کافر قرار دیا ہے اس لئے کہ غیر اللہ کے پاس اپنے فیصلے لیجانا کفر اکبر ہے اللہ نے ہمیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا ہے اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس کے پاس فیصلے نہ لیجائیں اب جو شخص طاغوت کے پاس فیصلہ کرانے جائے گا تو وہ طاغوت کا منکر نہیں کہلائے گا اسلئے کہ طاغوت کے انکار کی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس فیصلے نہ لیجائے جائیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں طاغوت کے انکار کی صورت یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ غیر اللہ کی عبادت باطل ہے اسے چھوڑ دے اس سے نفرت کرے اور اس کو ماننے والوں کو کافر سمجھے ان سے دشمنی رکھے۔ (مجموعۃ التوحید) اب جو شخص غیر اللہ کی عبادت کو باطل سمجھتا ہے مگر اسے چھوڑتا نہیں تو وہ طاغوت کا منکر نہیں کہلا سکتا۔ جو شخص اس کو باطل سمجھے اور اسے چھوڑ دے مگر پھر اسے پسند کرتا رہے اس سے نفرت نہ کرے تو وہ بھی طاغوت کا منکر نہیں ہے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جو شخص کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے

جبکہ اسے سب معلوم ہے تو وہ کفر کر رہا ہے۔**(الدرر السنية 426/10)**۔

مؤلف کتاب کو اللہ کا خوف کرنا چاہیئے کہ اس اہم مسئلے میں کسی کمزور دلیل کو بنیاد بنا رہے ہیں اگر چہ انکی نیت اچھی ہوگی اور ارادہ اصلاح کا ہوگا مگر اس طرح کی باتیں اسے کوئی فائدہ نہیں دیں گی اس طرح کی باتوں سے بہت بگاڑ پیدا ہوتا ہے بلکہ ہوا ہے یہ باتیں عدالتوں میں اور قانون پڑھانے والے اداروں تک اپنے اثرات پہنچا چکی ہیں اور اب وہاں (غیر اسلامی قوانین میں) کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا اب ہم اللہ کا نام لیکر اس شبہے کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس ازالے کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً

1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقره:111)

(اے محمد ﷺ) ان سے کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی طاغوتی فیصلے کرتا تھا (پھر بھی نبی ﷺ نے اسکی تحسین فرمائی) تو ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے دعوی کے ثبوت کے لئے کوئی صحیح متصل سند والی خبر سے یا اجماع سے کوئی دلیل لائیں ان صحابہ کرام کا قول پیش کریں جو نجاشی کے ساتھ رہے اور انہیں نجاشی کے بارے میں تمام معاملات کا علم تھا یا یہ بتا دیں کہ نجاشی اسلام قبول کرنے کے بعد بھی طاغوتی فیصلے کرتا تھا کوئی ایک فیصلہ ہی ایسا ثابت کر دیں؟ (ورنہ دعوی بلا دلیل قبول نہیں کیا جاتا)۔

2۔ نجاشی کے واقعہ سے استدلال کرنا صرف قیاس ہے جبکہ قیاس کے لئے ضروری ہے کہ کسی نص میں کوئی مسئلہ بیان ہوا ہو اور اس کی علت کے اشتراک کی بنا پر کوئی مسئلہ غیر منصوصہ اس پر قیاس کیا جائے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی فارق بھی نہ ہو اور یہ بھی قیاس کے لئے شرط ہے کہ مقیس (فرع) کوئی نص بھی نہ ہو جبکہ یہاں تو بہت سے نصوص موجود ہیں کہ اللہ کے حکم کو معطل کرنا یا اسے حکم وضعی سے بدلنا کفر باللہ ہے بلکہ اللہ کی شریعت کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف فیصلے لیجانا ایمان بالطاغوت ہے جیسا کہ پہلے آیت گذر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ....(النساء:60)

اور

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ(النساء:59)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ تنازعات میں فیصلے اللہ کی شریعت کے پاس نہیں لیجاتے وہ حقیقت میں مسلمان

نہیں ہیں بلکہ ان کا ایمان طاغوت پر ہے۔ **(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام العنان (398/1)**

جب ہمارے پاس واضح نصوص دلائل موجود ہیں تو ہم کس طرح قیاس کو لے لیں جبکہ اصول یہ ہے کہ نص کے مقابلے پر قیاس سے استدلال کرنا باطل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیاس کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ اصل حکم اور فرع میں فارق نہ ہو جبکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اصل نجاشی کے عمل کو بنایا گیا ہے اور فرع اسمبلیوں میں داخلے کو جہاں کہ اللہ کے احکام کو معطل کیا جاتا ہے اور شریعت کے بجائے انسانوں کی مرضی پر قانون بنتے ہیں کہتے ہیں کہ نجاشی نے مصلحت کی بنا پر شریعت محمدی ﷺ کے مطابق فیصلے نہیں کئے لہٰذا ہم بھی مصلحت کی وجہ سے پارلیمنٹ میں جاتے ہیں (یعنی پارلیمنٹ میں جانا نجاشی کے عمل پر قیاس کیا گیا ہے) اس کا رد اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قیاس صحیح کے لئے ضروری ہے کہ اصل اور فرع میں فارق نہ ہو تو ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قیاس فاسد ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں فوارق موجود ہیں مثلاً

1 پہلا فارق۔ نجاشی کا انتقال اسلام کے قوانین مکمل ہونے سے قبل ہو گیا تھا اور **اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ** ...... **(المائدہ:3)** آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کر لیا ہے یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی 13ھ میں جبکہ نجاشی کا انتقال فتح مکہ سے قبل ہوا تھا گویا نجاشی کی زندگی میں بہت سے اسلامی قوانین نازل و نافذ نہیں ہوئے تھے مثلاً سورہ مائدہ کو لے لیں جس میں اکثر احکامات ہیں دیگر صورتوں کی بنسبت اور اسی میں یہ حکم ہے کہ جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے یہ سورت نجاشی کے انتقال کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ یہ آخری سورہ ہے نزول کے لحاظ سے اب نجاشی کے عمل پر جو کہ شریعت اسلامی کی تکمیل سے پہلے کا ہے یہ اسمبلی کو کیسے قیاس کر سکتے ہیں جو کہ اسلامی شریعت کی تکمیل کے بعد وجود میں آ رہی ہے۔

2 دوسرا فارق۔ جب نبی ﷺ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اس بات کا پابند نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ کی شریعت کے بغیر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں اس سے پہلے ہی نجاشی کا انتقال ہو گیا تھا یا جن بادشاہوں کو جزیہ کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قیصر و کسری اور نجاشی کو لکھا کہ اسلام کی دعوت قبول کر لیں یا جزیہ دیں (یہ وہ نجاشی نہیں ہے جسکی نبی ﷺ نے تعریف کی ہے)۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جس نجاشی کو نبی ﷺ نے جزیہ کا اسلام قبول کرنے کا خط لکھا تھا وہ نجاشی دوسرا تھا اور جو آپ ﷺ پر ایمان لایا آپ ﷺ کے صحابہ کی تکریم وتوقیر کی وہ نجاشی دوسرا ہے بعض راویوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا جو کہ ان کی سہو ہے۔**(زادالمعاد3/690)**.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آپ ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے واقدی کے بقول یہ ذی الحجہ 6ھ میں تھا جب عمرہ حدیبیہ ہو چکا تھا بیہقی کہتے ہیں یہ غزوہ موتہ کے بعد کا واقعہ ہے ابن کثیرؒ کہتے ہیں ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ یہ سلسلہ خط وکتابت فتح مکہ سے پہلے تھا اس لئے کہ ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے کہا تھا (جب اس نے پوچھا کہ محمد ﷺ غداری یا وعدہ خلافی کرتا ہے) ہمارا ان سے ایک مدت تک معاہدہ ہے اب دیکھتے ہیں کہ وہ (محمد ﷺ) کیا کرتے ہیں بخاری میں ہے کہ یہ وہ وقت تھا جس میں نبی ﷺ کا ابوسفیان سے معاہدہ تھا **(البدایہ والنھایة 298)** پھر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو بھی خط لکھا (جس میں اسلام قبول کرنے یا جزیہ کا مطالبہ تھا مگر یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نماز جنازہ نبی ﷺ نے پڑھائی تھی)۔

3 تیسرا فارق۔ نجاشی ایک ایسی (آسمانی) شریعت پر قائم تھا جس کے اکثر احکام میں تحریف نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ:43)

یہ اہل کتاب آپ ﷺ کو کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ انکے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔

جبکہ موجودہ اسمبلیوں کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ جب اصل اور فرع میں یہ تینوں فارق پائے گئے تو یہ قیاس کو باطل کرنے کے لئے کافی ہیں اور اس طرح یہ قیاس فاسد قرار پاتا ہے۔

3 تیسرا ازالہ: نجاشی جس علاقے میں تھا وہ دور دراز اور علم سے بے بہرہ خطہ تھا نجاشی نے وہاں اسلام قبول کیا اور علماء نے کہا ہے کہ جو لوگ ایسے علاقوں میں رہتے ہیں ان کے لئے اتنی سہولت ہوتی ہے جو کہ دوسرے علاقوں والوں کے لئے نہیں ہوسکتی اسی طرح اس زمانے میں ذرائع مواصلات بھی آج کی طرح نہ تھے اس لئے بہت سے قوانین سالوں بعد جا کر پہنچتے تھے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے علاقوں کے کچھ لوگ احکامات پہنچنے سے قبل انتقال کر جاتے تھے جبکہ وہی احکام دوسرے علاقوں میں کافی عرصہ سے مروج ہوتے تھے اس کی مثال ہم بخاری سے ابن مسعودؓ کی حدیث سے پیش کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نماز کے دوران ہی نبی ﷺ پر سلام کرتے تھے آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیتے

جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز میں مصروف تھا (اس لئے سلام کا جواب نہ دے سکا) حالانکہ عبداللہ ابن مسعودؓ کبار صحابہ اور علماء میں سے تھے اور نماز ایسی عبادت ہے کہ جو دن میں بار بار ہوتی ہے مگر اسمیں ہونے والی یہ تبدیلی ابن مسعودؓ تک نہ پہنچ سکی تو ایسا شخص جو دور دراز علاقے میں رہنے کے علاوہ عربی سے بھی واقف نہ ہو تو وہ بدرجہ اولی معذور ہے کہ اسے کسی حکم شرعی کی خبر نہ پہنچے۔

4۔ ایسے امور سے استدلال کرنا امور متشابہ میں شمار ہوتا ہے جبکہ ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ متشابہ کو چھوڑ کر محکم کی اتباع کریں اور محکم وہی ہے جسکا تذکرہ پہلے ہم دلائل کے باب میں کر چکے ہیں لہٰذا ایسے لوگوں پر صرف تعجب ہی کیا جا سکتا ہے جو محکم نصوص کو چھوڑ کر متشابہ ظنی خبروں سے استدلال کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ

اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی ہے اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں۔(آل عمران:7)۔

طبری نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ محکمت سے مراد ہے ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض، جن پر ایمان لایا جاتا ہے عمل کیا جاتا ہے اور واخر متشابهات (دوسری متشابہ ہیں) سے مراد ہے منسوخ، مقدم مؤخر، مثالیں اقسام اور جن پر ایمان لایا جاتا ہے مگر عمل نہیں کیا جاتا۔

نجاشی کا واقعہ بھی ایسا ہے کہ جب نبی ﷺ نے بادشاہوں کے پاس نمائندے بھیجے تھے تو اس سے نجاشی کے احکامات منسوخ ہو گئے اگر چہ اس وقت نجاشی کا انتقال ہوا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت پہلے گذر چکی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ نبی ﷺ نے پڑھائی تھی۔

5۔ جو حاکم شرعی احکام کا مکلّف ہونے کے باوجود غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتا ہے وہ سب کے نزدیک (کافر) ظالم، فاسق، فاجر ہے اس پر ان تمام فیصلوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اسکی رعایا میں طاغوت کے ذریعے ہوں گے اس لئے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے قبر بنائی اور پھر لوگ اس قبر کے گرد ایسا طواف کرنے لگے جیسا بیت اللہ کے گرد ہوتا ہے تو ان کے عمل کا حصہ اس بنانے والے کو بھی ملے گا اس طرح جو شخص اللہ کی شریعت سے روک کر لوگوں کو طاغوت کی طرف لیجاتا ہے اور یہ جو صرف اللہ کی عبادت تھی وہ وثن وطاغوت کے لئے کروا رہا ہے تو

اس کے ذریعے سے وہ ظلم فجور کے اس درجے تک پہنچ رہا ہے جس کی حد صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ کم سے کم حال ہے اس شخص کا تو ہم کہتے ہیں کہ نجاشی اس طرح کے کام کیسے کر سکتا ہے اور اگر کئے تھے تو نبی ﷺ نے اسے رجل صالح نیک آدمی کس طرح کہہ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں جو اسکی طرف منسوب کی گئی ہیں اور اب ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اس لئے کہ نجاشی توراۃ کا متبع تھا وہ طاغوت کی شریعت کا پیروکار نہیں تھا اللہ نے اس کے اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (المائده:82)

آپ ﷺ مومنوں کے سب سے بڑے دشمن ان لوگوں کو پائیں گے جو یہودی اور مشرک ہیں اور قریب تر ان کو پائیں گے جو خود کو نصاری کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور راھب ہیں اور یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ نجاشی ان لوگوں میں سے تھا جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائده:44)

ہم نے توراۃ نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر حکم کرتے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم اس لئے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور مت خرید و میری آیات پر تھوڑی قیمت اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔

اب آپ کے سامنے صورتحال واضح ہو چکی ہے اور دونوں حالتوں کا فرق بھی سامنے آ چکا یعنی نجاشی اور موجودہ قانون

ساز اسمبلیوں کا۔نجاشی کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک کافر بادشاہ تھا جب اس نے سنا کہ ایک شخص ایمان کی طرف دعوت دے رہا ہے تو وہ فوراً ایمان لے آیا اور اس دعوت کو تسلیم کر کے اس کے تابع ہو گیا اور جو کچھ اس داعی کی طرف سے اسے پہنچا اس کو مانا اس پر عمل کیا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ وہ تمام ادیان سے علیحدہ ہو کر صرف اس دین اسلام کا ہو گیا ہے دین کے مخالف تمام امور سے براءت کا اعلان کیا دین اسلام کی خاطر بادشاہت اور ملک چھوڑنے کے لئے بھی تیار تھا مگر اسلامی قوانین کی تکمیل سے قبل اسکا انتقال ہو گیا دوسری طرف صورت حال بالکل مختلف ہے جسے اس پہلی صورت پر قیاس کیا جا رہا ہے وہ صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ زبردستی وہ ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں جس کا حکم یا اجازت اللہ نے نہیں دی ہے بلکہ اس کام کے مرتکب ہو رہے ہیں جس سے اللہ نے منع کیا ہے انہوں نے حرام ذرائع اختیار کر لئے ہیں یعنی شرک کو توحید کے حصول کا ذریعہ بنایا۔معصیت کو اطاعت کا وسیلہ بنالیا ہے اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی ہے اور حجت تمام ہوگئی ہے اب اس والی صورت کو پہلی والی پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے جبکہ دونوں کے درمیان مختلف انداز کے فوارق موجود ہیں اور قاعدہ واصول یہ ہے کہ قیاس مع الفارق باطل ہے دوسری بات یہ ہے کہ نجاشی کے حالات سے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے کئی احتمال موجود ہیں اور اصول یہ ہے کہ جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

شبہ نمبر 2۔ جناب یوسف علیہ السلام کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ ایک کفریہ نظام حکومت میں زرعی پیداوار کے وزیر یا نگران رہے جب ایک پیغمبر ایسا کر سکتا ہے تو ہمارے لئے بھی جواز بنتا ہے کہ ہم ان اسمبلیوں میں جائیں۔

ازالہ: اس شبے کے ازالے کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

نمبر 1۔ ان لوگوں نے قیاس کو نص پر مقدم کیا ہے حالانکہ قیاس اجتہاد کا حصہ ہے اور نص کی موجودگی میں اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ممنوع ہے الصواعق المرسلہ میں ابن قیمؒ فرماتے ہیں جب قیاس نص سے ٹکرا جائے (متعارض ہو جائے) تو قیاس باطل ہو جاتا ہے اسے ابلیس کا قیاس کہا جاتا ہے اسلئے کہ یہ باطل کے ذریعہ سے حق کا مقابلہ کرنا ہے اس لئے اس کی سزا یہ ہے کہ ایسے شخص کی عقل دنیا آخرت سب برباد ہو جاتے ہیں اس لئے کہ جو شخص عقل سے وحی کا مقابلہ کرے گا اللہ اس کی عقل خراب کر دے گا اور وہ ایسی باتیں کرے گا کہ جس پر صاحبان عقل وشعور ہنسیں گے مذاق اڑائیں گے۔

2۔ قیاس کی شروط میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں میں اصل وفرع فارق نہ ہو تب قیاس صحیح کہلائے گا ورنہ فاسد

ہوگا اسے قیاس مع الفارق کہا جائے گا موجودہ قیاس میں فوارق مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ یوسف علیہ السلام کی ذمہ داری ایک انسانی و بشری ذمہ داری تھی (خدائی صفات میں مداخلت نہیں تھی) جیسا کہ آیت میں ہے:

وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا کَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ (یوسف:54)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ میں اسے اپنا خاص آدمی بناؤں گا جب یوسف علیہ السلام سے بات ہوئی تو بادشاہ نے کہا تمہیں آج سے ہمارے ہاں معتبر مقام حاصل ہے۔

اس کے برعکس ارکان اسمبلی تو رب اور قانون ساز بنتے ہیں جبکہ یہ صفت اللہ کی ہے اسمبلی اپنے ارکان کو مطلق اختیار دیتی ہے کہ وہ قوانین وضع کریں حالانکہ یہ اختیار صرف اللہ کے پاس ہے یہ لوگ نہ تو اس حق سے دست بردار ہوتے ہیں نہ ہی اس سے براءت کا اعلان کرتے ہیں اور یہ حق انہیں آئین نے دیا ہوتا ہے آئین کہتا ہے قانون سازی کی ذمہ داری پارلیمنٹ کے ذمہ ہے کہ وہ دستور کے مطابق یہ کام انجام دے دوسرے مقام پر ایک شق میں بیان ہوا ہے ڈیموکریسی (جمہوریت) میں قوم کی ہر قسم کی رہنمائی اس پارلیمنٹ کے ذمہ ہے۔

2 دوسرا فارق:۔ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا: یوسف علیہ السلام اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرتے تھے اللہ کا ارشاد ہے۔

وَ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ

اور اس طرح ہم نے یوسف (ؑ) کے لئے ممکن بنایا ورنہ وہ بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔(یوسف:76)۔

مفسرین اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ مصر کے قوانین کی رو سے وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے البتہ اللہ کے حکم سے ایسا ممکن ہوا اور اللہ کا حکم ابراہیمؑ اور اسکی اولاد کی شریعت میں یہ تھا کہ چور کو ایک سال تک اس کے پاس رکھا جا سکتا تھا جس کے ہاں سے چوری کی ہے اس مدت میں وہ چوری کی رقم کے مساوی وصول کرلیتا۔

چونکہ اسمبلی کے ارکان اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور دستور کے پابند ہوتے ہیں وہ تو کفر باللہ کا دروازہ کھول رہے ہیں کہ اللہ کی شریعت کے ہوتے ہوئے انسانوں کو قانون سازی کا اختیار دے رہے ہیں جیسا کہ دستور کی

ایک شق میں بیان ہوا ہے اسمبلی کے اجلاس کے لئے ضروری ہے کہ آدھے سے زیادہ ارکان موجود ہوں اور حاضرین کی اکثریت کی بنا پر ہی کوئی قرارداد پاس کی جاسکتی ہے دوسری شق میں صراحت ہے کہ اسمبلی ممبران کو حق حاصل ہے کہ وہ قوانین میں چھان بین کریں اگر کسی اسمبلی رکن نے کوئی قانونی ترمیم پیش کی اور اکثریت نے اسے مسترد کیا تو وہ ترمیم دوبارہ پیش نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہے کہ اراکین پارلیمنٹ کو اپنے خیالات و آراء کے اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہے اسے پارلیمنٹ میں اپنے خیالات کے اظہار سے روکا نہیں جاسکتا۔

3 تیسرا فارق براءت۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے تمام بتوں اور معبودوں سے براءت کا اعلان کیا تھا۔

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ . وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِ یْ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ مَاكَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّا اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَ اٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (یوسف:40.37)

میں نے ایسی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور آخرت کی منکر ہے میں نے اپنے آباء ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ کا دین اپنالیا ہے ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک کریں یہ اللہ کا ہم پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے جیل خانے کے ساتھیو کیا بہت سارے الگ الگ رب بہتر ہیں یا ایک زبردست رب؟ جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ صرف نام ہیں جو تم اور تمہارے آباء نے رکھے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی حکم صرف اللہ کا ہی ہے اسکا حکم ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو یہی قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جبکہ ارکان اسمبلی تو اپنے اوثان و معبودان اپنے طاغوت اپنے دستور کا حلف اٹھاتے ہیں ہر اسمبلی ممبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان الفاظ میں حلف اٹھائے میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ ملک اور حکومت کا وفادار رہوں گا ملکی قوانین اور آئین کا احترام کروں گا قوم کی آزادی، فلاح و بہبود اور مالی امور کی حفاظت صدق و امانت داری سے کروں گا۔

4۔ چوتھا فارق۔ وزارت حاصل کرنے کا ذریعہ؟

یوسف علیہ السلام نے وزارت یا اختیارات معجزہ کے ذریعے سے حاصل کئے جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ. قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْبُلِهٖ اِلَّا قَلِيْلاً مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ .ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلاَّ قَلِيْلاً مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ .ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ.وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَابَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ.قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ .ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ .وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ . وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ. قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ. وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ .(يوسف:56-46)

سچے یوسف ہمیں سات موٹی گائیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں انکو سات سوکھی بالیں کھا رہی ہیں مجھے اس خواب کی تعبیر بتا دیں تا کہ میں اپنی قوم کے پاس جاؤں اور شاید ان کو بھی معلوم ہو سکے یوسفؑ نے کہا تم سات سال تک جم کر کھیتی باڑی کرو گے تو جو تم کاٹو اسے بالی میں چھوڑ دو سوائے اس کے جو تمہارے کھانے کے لئے ہو پھر اس کے بعد سات سال سختی کے آئیں گے وہ کھا جائیں گے جو تم نے سنبھال کر رکھا ہوگا پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں بارش ہوگی لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

جہاں تک ارکان اسمبلی کی بات ہے تو وہ لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے جس میں اسلام کو بہت سے تحفظات ہیں دستور کی شق کہتی ہے پارلیمنٹ کے پچاس ارکان ہوں گے(کویت میں ایسا کوئی

قانون ہوگا۔مترجم)جنکا چناؤ انتخابات کے ذریعے سے ہوگا اوراس انتخاب کے لئے قانون موجود ہے اس کے مطابق ہوگا۔

5۔پانچواں فارق۔تقرر کا طریقہ۔جس وزارت پر یوسفؑ کا تقرر ہوا وہ ایک شخص کی تھی۔

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ .(یوسف:54)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اسے اپنا خاص آدمی بناؤں جب ان سے بات کی تو بادشاہ نے کہا تم آج سے ہمارے ہاں امانت داری کے مقام پر فائز ہو۔

اس کے برعکس ارکان مجلس میں سے پچاس افراد تقرر کرتے ہیں جیسا کہ دستور کی شق میں ہے اسمبلی کے اجلاس کے لئے نصف سے زائد کی حاضری ضروری ہے۔

ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جب اصل اور فرع میں ایک بھی فارق ہو تو قیاس فاسد ہوتا ہے جبکہ یہاں تو پانچ فوارق بتا دیئے گئے ہیں تو یہ قیاس باطل کیوں نہ ہوگا لازمی امر ہے کہ یہ قیاس فاسد ہے۔

شبہ نمبر3۔ کہتے ہیں کہ ہم پارلیمنٹ میں مصلحت کی بنا پر جاتے ہیں اور بگاڑ وخرابیوں کو دور کرنے اہل باطل سے بحث ومقابلہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

ازالہ: اگر چہ یہ ایک اچھا خیال اور اچھی کوشش یا مقصد ہے لیکن اس کے لئے اختیار کیا جانے والا ذریعہ غیر شرعی ہے ہم مسلمانوں کے ہاں اصول یہ ہے کہ اچھے کام کے لئے ذریعہ بھی اچھا ہونا ضروری ہے جب کہ آپ نے یہ ذریعہ شرکیہ بدعیہ اختیار کرلیا ہے جو کہ اللہ کی صفات میں شراکت کے برابر ہے جبکہ ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک وکفر سب سے بڑی خرابی ہے شرک وکفر سے بڑھ کر تو کوئی خرابی وفساد ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا (النساء:48).

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جو کچھ ہے جس کے لئے چاہے معاف کردیتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الزمر:65).

(اے محمد ﷺ) آپ کو اور آپ سے پہلے انبیاء کو وحی کی گئی تھی کہ اگر تم نے (بالفرض) شرک کرلیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔

فرمان ہے۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ وَ قَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارَ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدہ:72).

کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی بات یہ ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کرلیا تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

شرک میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان خود کو قانون ساز بنالے قانون ساز کی کرسی پر بیٹھ جائے جبکہ قانون بنانا اللہ کی صفت ہے شرک میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لے جائے جب انسان عبادت کی یہ قسم طاغوت کے لئے کرتا ہے تو وہ شخص مشرک بن جاتا ہے کفر میں سے یہ ہے کہ انسان طاغوت کی عزت واحترام کی قسم کھائے جس کے انکار کا اللہ نے حکم دیا ہے کفر میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے احکام کو اپنی تحقیقات کا نشانہ بنائے اس میں چھانٹی کرے کہ کون سا قابل نفاذ وقابل عمل ہے کونسا نہیں؟ اس طرح کفر باللہ کا دروازہ کھولے یعنی اللہ کی شریعت کو اپنانے یا نہ اپنانے کا اختیار۔

یہ چاروں امور اسلام سے مرتد کرنے والے ہیں لہٰذا جو لوگ ان امور کی جراءت کرتے ہیں انہیں خبردار ہونا چاہیئے اور یہ سمجھ جانا چاہیئے کہ اللہ کے ساتھ کفر وشرک سب سے بڑی برائی اور خرابی ہے اور کوئی اچھا مقصد غلط ذریعے کو اچھا نہیں بناتا جبکہ یہاں ذریعہ کفریہ وشرکیہ اپنایا جارہا ہے۔

4 چوتھا شبہ: حلف

کہتے ہیں کہ جب ہم پارلیمنٹ میں دستور، آئین کا حلف اٹھاتے ہیں تو ہم حق کو مستثنیٰ کر کے اپنی نیت میں آئین سے وہی مراد لیتے ہیں یعنی آئین میں سے جو حق اور صحیح ہے ہم اس پر حلف اٹھاتے ہیں

جواب: اگر یہ لوگ جانتے کہ توحید کیا ہے اور ملت ابراہیم کیا ہے تو یہ لوگ اس طرح کی باتیں نہ کرتے اور اللہ کے دین میں اس طرح دیوانوں والی باتیں نہ شامل کرتے اس طرح یہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس شبہ کا جواب ہم کئی طرح سے دیتے ہیں مثلاً

1۔ ہر وہ شخص جسے اللہ نے اپنے دین کی سمجھ دی ہے وہ جانتا ہے کہ توحید نفی اور اثبات پر مبنی ہے اور جب حق کے ساتھ شرک یا باطل مخلوط ہو جائے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان اس باطل شرک کفر اور گناہ کی نفی کر دے پھر اس کے بعد حق کو مستثنیٰ کرے اور اسے ثابت کر دے جیسا کہ امام الموحدین جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَ اِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (الزخرف:26)

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں سوائے اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ عنقریب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔

اس طرح ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تمام معبودان باطلہ سے بیزاری کا اعلان کیا پھر حق تعالیٰ کو مستثنیٰ کیا لہٰذا یہی ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اور دین ہے جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ بے وقوف ہی ہوگا۔

2۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس نے بھی طاغوت کے احترام کی قسم کھائی (سوائے نا سمجھی یا مجبوری کے) تو اس شخص نے طاغوت کا انکار نہیں کیا جبکہ طاغوت کا انکار دل، زبان، اور عمل سے لازمی ہے امام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کا دین اعتقادی لحاظ سے دل میں ہوتا ہے اور محبت و نفرت بھی دل میں ہوتی ہے زبان سے اقرار اور کفریہ الفاظ زبان سے نہ نکالنا اور اعضاء سے ارکان اسلام پر عمل اور کفریہ افعال کو چھوڑنا یہ سب دین ہے اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی کمی رہی تو یہ کفر وارتداد ہوگا۔**(الدرر السنية كتاب حكم المرتد:87/8)**

یہ ایک صریح اور واضح قول ہے اس شخص کے مرتد ہونے پر جو قول یا عمل سے کفر کرتا ہے اب جو شخص کہتا ہے کہ میں اگرچہ زبان سے آئین کے احترام کا اقرار کرتا ہوں مگر دل سے استثنیٰ کرتا ہوں کہ جو حق ہے اسکی قسم تو اس شخص کا یہ کہنا باطل و مردود ہے اس لئے کہ ظاہراً یہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھالی ہے یعنی وضعی قوانین کی

جو کہ طاغوت ہے اور یہ سب کچھ نہ تو کسی اکراہ و مجبوری کی وجہ سے ہے اور نہ ہی ناواقفیت کی بنا پر شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں مرتد کا معنی علماء نے یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان جو اسلام لانے کے بعد کفر کرے پھر علماء نے اسکی اقسام بیان کی ہیں اور ہر قسم کافر بنا دینے والی ہے یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جیسا کہ دل کے ارادے کے بغیر صرف زبان سے کفریہ کلمہ ادا کرنا یا مزاح و کھیل میں کفریہ الفاظ منہ سے نکالنا بھی مرتد بنا دیتا ہے اب اس بات پر غور کریں کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ارتداد کا سبب بن جاتی ہیں جیسا کہ بغیر دلی ارادے کے صرف مزاح میں کفریہ الفاظ کہنا وغیرہ شیخ صاحب نے اپنے رسالہ کے آخر میں لکھا ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ بعض منافقین جنھوں نے رسول ﷺ کے ساتھ ملکر روم کے خلاف جنگ بھی کی تھی وہ کافر قرار دیئے گئے اس لئے کہ انہوں نے کھیل و مزاح میں کلمہ کفر ادا کیا تھا تو اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ جو شخص کسی دنیاوی غرض یا نقصان سے بچنے کے لئے کفریہ کلمہ یا عمل کرتا ہے یا کسی کو خوش کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابابطینؒ کہتے ہیں جب مسلمان اس کلمہ توحید کی عظمت جان لیتا ہے اور اس کے قیود و شرائط سے بھی واقف ہو جاتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کا اعتقاد دل میں ہو زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل ہو اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کم ہوا تو آدمی مسلمان نہیں کہلائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور جب آدمی مسلمان عامل بن جائے اور اس کے بعد اس سے ایسا قول یا عمل یا عقیدہ ظاہر ہو جائے جو اس کے نقیض و متضاد ہو تو یہ اقرار قول و عمل اسے کوئی نفع نہ دے گا اللہ کا ارشاد ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے غزوہ تبوک میں بات کی تھی۔

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللهِ مَا قَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلاَمِهِمۡ

یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا حالانکہ یہ کلمہ کفر ادا کر چکے ہیں اور اسلام لانے کے بعد کفر کرلیا ہے۔(**التوبة: 74**)(**مجموعة التوحيد. الرسالة الثامنة**).

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ (توبه:66).

بہانے نہ بناؤ تم ایمان کے بعد کفر کر بیٹھے ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جس نے کوئی عمل یا قول ایسا کیا جو کفر کے زمرے میں آتا ہے تو وہ شخص کافر ہو گیا اگرچہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہیں کیا تھا اس لئے کہ کافر بننے کا ارادہ کوئی بھی نہیں کرتا۔(**الصارم**

المسلول: 177)۔

شبہ نمبر 5۔ کہتے ہیں کہ اسمبلی کے ارکان قانون ساز نہیں ہیں نہ انہوں نے کبھی خود کو قانون ساز سمجھا ہے اور نہ وہ اسمبلی میں اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرح خود کو بھی رب اور قانون ساز وشریعت ساز بنائیں وہ اسمبلی میں جو کچھ کرتے ہیں وہ قوم وملک کی اصلاح وبھلائی کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے اس قول کا رد بایں طور ہوسکتا ہے کہ یہ کہتے ہیں ارکان اسمبلی قانون ساز یا شریعت ساز نہیں ہے یہ قول انکا باطل اور غلط ہے اس لئے کہ اعتبار ان کے قول کا نہیں ہے کہ ان کے کہنے سے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ ارکان قانون ساز نہیں ہیں بلکہ اعتبار اس کا ہے جسے عقل، واقعات، دستور، اور رواج نے ثابت کیا ہے کہ جو شخص قانون ساز اسمبلی کی کرسی پر بیٹھے گا وہ قانون ساز ہی ہوگا۔

1۔ اگرچہ زبان سے یہ لاکھ کہیں کہ ہم قانون ساز نہیں ہیں مگر دلی طور پر تو انہیں تسلیم ہے کہ وہ اس منصب پر فائز ہیں کہ انتخابات ہوئے ہی اسی منصب کے لئے ہیں جیسا کہ ایک آدمی جج بن کر کرسی پر بیٹھ جائے اور کہے کہ میں جج نہیں ہوں تو اسکے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کی قانونی حیثیت کو دیکھا جائے گا اس طرح کوئی شخص صدر بن جائے پھر کہے کہ میں خود کو صدر نہیں سمجھتا کوئی وزیراعظم بن جائے پھر کہے کہ میں خود کو وزیراعظم نہیں سمجھتا تو ان باتوں کا کیا فائدہ ہوگا قانوناً جو حیثیت انہیں حاصل ہے وہ تو رہے گی اسی طرح انتخابات کے بعد قانون ساز اسمبلی کا ممبر منتخب ہونے کے بعد کوئی کہے کہ میں قانون ساز نہیں ہوں تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے یا یہ کہیں کہ ہم اپنے دل میں اپنی نیت میں خود کو قانون ساز نہیں سمجھتے تو اس کا بھی بھروسہ یا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ جب ایک آدمی کوئی عمل کر رہا ہو یا کر چکے اور پھر کہے کہ میری نیت اس عمل کو کرنے کی نہیں تھی جیسا کہ ایک بدعتی آدمی بدعت کا کام ایجاد کرے اس پر عمل کرے اور پھر کہے کہ میری نیت ایسی نہیں تھی تو اس نیت کا کیا اعتبار؟ عمل تو اس نے کر دیا ہے بدعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جس نے ہمارے اس دین میں ایسا نیا کام نکالا جو اس میں سے نہیں تھا تو وہ مردود ہے ۔(متفق علیہ) یہ تو دین میں کوئی عمل ایجاد کرنے سے متعلق ہے کہ کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر کوئی عمل کرے تو اسکا عمل مردود ہے مگر اس لئے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اب اس کی نیت نہیں معلوم کی جائے گی کہ اچھی تھی یا بری اسی طرح ایک شخص شرکیہ عمل کرتا ہے خود کو خالق رازق شریعت ساز قانون ساز کے درجے پر فائز کرتا ہے اور پھر کہے کہ میری نیت ایسی نہ تھی تو اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اسکے عمل پر ہی فتوی لگے گا۔

2۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قانون ساز کی کرسی پر بیٹھا اور خود کو قانون سمجھا تو وہ قانون ساز ہوگا

اور جس نے عمل تو یہی کیا مگر نیت میں نہیں تھا تو وہ قانون ساز شمار نہ ہوگا بلکہ مصلح ہوگا گویا دو آدمیوں میں فرق کرتے ہیں ایک شخص عملاً ہے مگر نیت نہیں ایک عملاً اور نیت دونوں کے لحاظ سے ہے تو دوسرا قانون ساز ہے پہلا نہیں ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا یہ قول اور یہ فرق باطل ہے اس لئے کہ اگر ایک شخص نیت کر لے اور زبان سے کہہ دے کہ میں قانون ساز ہوں مگر قانون ساز اس وقت بنے گا جب وہ اس کرسی پر منتخب ہو کر بیٹھے گا اور عملاً قانون سازی کرے گا ورنہ صرف نیت یا قول سے وہ قانون ساز نہیں بن جائے گا اور اگر کوئی شخص زبان سے کچھ بھی نہ کہے نیت بھی کرے مگر منتخب ہو کر اسمبلی میں جائے اور عملاً قانون سازی کرے تو وہ قانون ساز کہلائے گا لہٰذا ثابت ہوا کہ اصل اعتبار نیت وقول کا نہیں بلکہ عمل کا ہے۔

3۔ جس مسلمان کو یہ معلوم ہو کہ شرک اعتقادی بھی ہوتا ہے قولی بھی اور فعلی بھی تو وہ اس طرح کی باتیں کبھی نہیں کرے گا۔

امام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں اللہ کا دین دلی اعتقاد اور دلی محبت ونفرت اور زبانی اقرار و عمل بالجوارح کا نام ہے ان میں سے ایک بھی کم ہوا تو یہ کفر وارتداد ہے **(الدرر السنية كتاب حكم المرتد (87/8)**

عبدالرحمٰن بن ابابطینؒ کہتے ہیں جب مسلمان اس کلمہ کی عظمت قدر ومنزلت پہچان لیگا اس کے قیود وشرائط سمجھ جائے گا تو پھر ضروری ہے کہ دل سے اعتقاد زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرے اگر ان تینوں میں سے ایک بھی کم ہوا تو انسان مسلمان نہیں بن سکے گا۔ (مجموعۃ التوحید الرسالۃ الثالثۃ)

شبہ نمبر 6۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ توحید ربوبیت اعتقاد واقرار کا نام ہے اور یہ ارکان اسمبلی اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خالق اور شریعت ساز صرف ایک اللہ ہے تو پھر آپ ان کو کس بنیاد پر شرک فی الربوبیت کے مرتکب سمجھتے ہیں اس شبہے کے جواب بھی متعدد ہیں۔

1۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ توحید ربوبیت میں اصل اور بنیاد اعتقاد اور زبان سے اقرار ہے اور یہ ایک شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کی تمام ان صفات پر ایمان لائیں جو اس کی ربوبیت کا خاصہ ہیں ان صفات میں اسے تنہا مانیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے نہ رازق اور نہ قانون ساز اس سب کے باوجود ہم ایک اور بات کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ انسان کا اللہ کی وحدانیت اس کے افعال ربوبیت پر ایمان ہوتا ہے لیکن یہ اقرار واعتقاد اسے فائدہ نہیں دیتا اس لئے کہ جب وہ ایسا کوئی عمل غیر اللہ کے لئے کر دیتا ہے جو صرف اللہ کے لئے خاص تھا تو وہ

شخص مشرک بن جاتا ہے اپنے اس عمل کی بنا پر اس بات کی دلیل علماء کے اقوال سے مل سکتی ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ شرک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ چیزوں کے مخصوص نام رکھ دیئے جائیں بلکہ شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے کوئی ایسا عمل کیا جائے جو صرف اللہ کے لئے خاص ہو چکا ہے اس عمل یا جس کیلئے کیا جا رہا ہے اسکا کوئی بھی نام رکھا جائے **(الدر النفیه ضمن الرسائل السلفیة ص 18)**

امام صاحب کی اس بات میں غور کریں کہ غیر اللہ کے لئے کوئی عمل کیا جائے یعنی اصل اعتبار عمل کا ہے یہی قول پہلے شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابا بطین کا گذر چکا ہے۔ (مجموعۃ التوحید الرسالۃ الثامنۃ)

2۔ ہم پہلے اکثر مواقع پر بہت سے علماء کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ توحید کے لئے ضروری ہے کہ دل زبان اور عمل سے ہو جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو پھر یہ صرف توحید الوھیت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ توحید ربوبیت بھی اس میں داخل ہے اس لئے کہ شرک ربوبیت شرک فی الالوہیت سے زیادہ سنگین ہے اور یہ شرک تین قسم کا ہوتا ہے۔

1۔ اعتقادی لحاظ سے شرک فی الربوبیت جیسا کہ کوئی انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی قانون ساز ہے۔

2۔ قولی شرک کوئی شخص زبان سے کہدے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو بھی قانون بنانے کا حق حاصل ہے۔

3۔ شرک فی الربوبیت عملاً جیسا کہ کوئی انسان کسی انسان کو ایسے مقام پر پہنچائے کہ جس کی وجہ سے اس انسان کو قانون بنانے کا حق حاصل ہو جائے جو کہ صرف اللہ کا حق ہے۔

اب ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ جب آپ نے ایک شخص کو قانون ساز اسمبلی میں پہنچا دیا انہیں قانون بنانے کا حق دیدیا تو اس کے علاوہ اب اور کون سی شرک فی الربوبیت کی عملی صورت رہ گئی ہے۔ آخر میں ہم یہی کہتے ہیں کہ ان تشریعی مجالس میں شمولیت شرک اکبر میں سے ہے اور جو شخص ان مجالس کی رکنیت حاصل کر کے قانون ساز کی کرسی پر بیٹھے گا وہ شرک کا مرتکب شمار ہوگا بلکہ وہ خود طاغوت ہے کہ اللہ کی صفات مخصوصہ میں سے ایک صفت کا دعوے دار ہے اور جو لوگ ان ارکان کو ان اسمبلیوں میں پہنچاتے ہیں وہ بھی شرک کے مرتکب ہیں اب انکی نیت صحیح ہو یا غلط؟ بعض لوگ یہ بھی عذر تراشتے ہیں کہ ان لوگوں کا اسمبلی میں جانا مجبوری ہے اسلئے کہ اگر یہ (اچھے لوگ اچھی نیت والے مصلحین) نہیں جائیں گے تو کوئی اور (برے لوگ) پہنچ جائیں گے اور وہاں جا کر کفر و بے دینی کو رواج دیں

گے کفریہ قوانین بنائیں گے وغیرہ وغیرہ ہمارے خیال میں یہ بہت بڑی غلطی ہے جو ان لوگوں سے سرزد ہو رہی ہے اس لئے کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ شرک آخر شرک ہے وہ کسی بھی تاویل سے جائز یا صحیح قرار نہیں پا سکتا اور جسے یہ مجبوری کہہ رہے ہیں تو ہم مجبوری کی اقسام اور صحیح صورت حال پہلے واضح کر چکے ہیں اس کے علاوہ اگر یہ اس کو اکراہ و مجبوری کی شکل قرار دیتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اس موقع پر آپ کے پاس دو صورتیں ہیں صرف دو تیسری کوئی نہیں۔

1۔ اگر آپ اس انتخاب اور اسمبلیوں میں جانے کو مجبوری کہتے ہیں اسے آپ معتبر جانتے ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ اپنے لئے وہ بھی جائز سمجھیں گے جو یہ لوگ اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں یعنی اسمبلیوں میں جانا اپنی مجبوری قرار دیتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ یہ اکراہ ہے اور معتبر ہے اور آپ نے ان کے لئے اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھ لیا ہے۔

2۔ یا آپ یہ کہیں کہ جسے یہ لوگ مجبوری قرار دیتے ہیں وہ مجبوری معتبر نہیں ہے تو پھر آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا اسمبلیوں میں جانا شرک ہے اس لئے کہ مجبوری درمیان میں سے نکل گئی اور شرک کی تمام اوصاف موجود ہیں۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان لوگوں کے پاس بھی تو دلائل ہیں جو اپنے عمل کے جواز میں پیش کرتے ہیں ان کی طرف بھی توجہ دی جانی چاہیئے؟۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ان کے تمام دلائل کا جواب ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں اور علماء کے اقوال اور پھر آخری فیصلہ وہاں درج ہے۔

اسی طرح ایک اور غلط خیال لوگوں کے ذہن میں آتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسکا بھی جواب دے دیں سوال یہ ہے کہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو ایک اور صحیح رائے دینے والے کو دو اجر ملتے ہیں اب جو لوگ اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھتے ہیں اگر ان کی رائے صحیح ہے تو دو اور اگر غلط ہے تو ایک اجر نہیں ملے گا اس لئے کہ مجتہد کی خطا معاف اور صحیح بات پر اجر ہے۔

جواب: یہ بہت بڑی غلطی ہے اس لئے کہ شرک کے بارے میں اجتہاد کرنا اور پھر اس میں غلطی کرنا کیسے معاف ہو سکتا ہے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

شیخ تقی الدین کہتے ہیں مغفرت کی امید اس کیلئے کی جا سکتی ہے جس نے بدعت اجتہادی غلطی یا ناسمجھی کی بنا پر ایجاد کی مگر شرک اکبر یا کفر کرنے والے کی مغفرت کی بات کسی نے نہیں کی ہے۔**(الدرر السنية 80/12)**

شیخ ابا بطین مخالفین کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ تقی الدین اور ابن قیمؒ فرماتے

ہیں کہ جس نے ان امور میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اسے مطلق کافر مشرک نہیں کہا جائے گا جب تک کہ کوئی واضح دلیل وحجت قائم نہ ہو جائے اور وہ حجت حکمران وقت کرے گا وہی اس بات کا مجاز ہے کہ کسی عمل کو کفر کہے یا کرنے والے کا عذر قبول کرلے کہ اس نے یہ کام اجتہادی غلطی یا کسی کی تقلید میں کیا ہے یا اور کوئی وجہ ہو جسکی بنا پر حکومت اسے معاف کردے ابابطین کہتے ہیں کہ ابن قیم اور تقی الدین نے یہ بات کہیں نہیں کی ان کے کلام میں یہ قول ہے ہی نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ قول ایک جھوٹے گمراہ داؤد بن جرجیس بغدادی نے گڑھا ہے جو محمد بن عبدالوھابؒ کا مخالف تھا بہت سے علماء نے اس کے اقوال کو رد کیا ہے اس نے شیخ تقی الدین کی طرف ایک ورقہ منسوب کیا وہ لوگوں کو سناتا تھا جس میں لکھا تھا کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ جو لوگ قبروں اور مزاروں کے پاس شرک کرتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں تو ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ مجتہد تاویل کرنے والا مقلد اور جاہل معذور ہیں ان کی خطائیں معاف ہیں جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ داؤد بن جرجیس ابن تیمیہؒ کا اس طرح کا قول لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے تو میں نے اسے بلایا اور اس کی غلطی کی نشاندہی کی اور اسے بتایا کہ ابن تیمیہ کا یہ قول اس مقام کے لئے نہیں تھا بلکہ شیخ ابن تیمیہؒ نے یہ بات بدعات کے بارے میں کی تھی جو شرک کے زمرے میں نہ ہوں جیسا کہ کوئی شخص کسی عمل کو اچھا عمل سمجھ کر کر رہا ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو کہ یہ ممنوع ہے تو اسے اچھی نیت کی بنا پر ثواب ملے گا اور عدم علم کی بنا پر اس کی غلطی معاف ہوگی۔

بہت سے ایسے عمل یا عبادات جو لوگ کر رہے ہیں اسے ان اعمال کی مشروعیت ثابت نہیں ہو جاتی پھر ایک عالم یا تو تاویل کرتا ہے یا اجتہادی غلطی کرتا ہے یا مقلد ہوتا ہے تو اس کی خطاء معاف ہو جاتی ہے ابن تیمیہؒ کا یہ قول ان امور کے بارے میں ہے جو شرکیہ نہیں ہیں۔**(الدرر السنية 387/15)**.

مزید فرماتے ہیں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء نے بہت سارے اقوال افعال اعتقادات ایسے اذکر کئے ہیں جن کے مرتکب کو کافر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس میں یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ یہ کام جان بوجھ کر کئے گئے ہوں کفر کا ارتکاب کرنے والا چاہے تاویل کرنے والا ہو مجتہد ہو غلطی پر ہو مقلد ہو جاہل ہو ہے تو بہرحال کتاب وسنت اور اجماع کا مخالف اس کا یہ عمل تو ختم نہیں ہو جاتا کفر تو اس نے کیا ہے چاہے کوئی بھی وجہ ہو جیسا کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرے وغیرہ وغیرہ **(الشفاء بشرح نور الدین القاری ج 5ص 314-393)**

علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن فرماتے ہیں علماء نے اعتدال کا راستہ اپنایا ہے اور مرتد کے حکم میں لکھا ہے کہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کفریہ کلمہ کہے یا کفریہ عمل کرے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ وہ شہادتین کے منافی کام کر رہا ہے تو اسے جہل کی بنا پر کافر نہ کہا جائے یہ کسی عالم نے نہیں کہا۔ **(الدرر السنية 72/12)**۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن حسن عنبری نے اگرچہ مجتہدین کی آراء کو صحیح کہا ہے تمام علماء کا اجماع ہے کہ دین کے اصولوں میں حق ایک ہی ہوتا ہے اس میں غلطی کرنے والا گناہ گار نافرمان فاسق ہے البتہ اس کے کفر میں اختلاف ہے قاضی عیاض نے جنہیں اصول دین کہا ہے ان سے مراد اہل السنۃ کے عقائد کے اصول ہیں مثلاً قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور قرآن کا اللہ کا کلام ہونا وغیرہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایسے شخص کے کفر میں اختلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن امور میں تاویل کی گنجائش ہو اسمیں تو اختلاف ہے مگر جہاں واضح شرکیہ اور کفریہ کام یا قول ہو جیسا کہ شرک فی العبادۃ یا اللہ و رسول ﷺ کا مذاق اڑانا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کے مرتکب کے کفر میں اہل السنۃ کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مجتہد کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اسمبلیوں میں جانا اس لئے کفر نہیں ہے کہ یہاں اکراہ کی صورت پائی جارہی ہے اور یہ صورت کافر قرار دینے کی راہ میں مانع ہے تو اس کا جواب ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں۔

ہم نے اختصار کے ساتھ علماء کی آراء کی روشنی میں شبہات کا جواب دیدیا ہے اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں کفر، شرک اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

قانون سازی کے چند نمونے

1۔ کویت کی قانون ساز اسمبلی نے قانون میں ایک ترمیم منظور کی جس کا خلاصہ ہے کہ جس نے اللہ رسول کو گالی دی یا دین اسلام کا مذاق اڑایا اسے چھ ماہ کی بجائے دس سال قید کی سزاء دی جائے گی اور اسے ایک ہزار کے بجائے اب دس ہزار دینار جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اسلام میں ایسے لوگوں کے لئے سزائیں مقرر ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے جس نے اپنا دین بدل دیا (مرتد ہوا) اسے قتل کردو۔ اور جس نے اللہ کو یا اس کے نبی ﷺ کو گالی دی اسے قتل کردو کہ وہ مرتد ہے اللہ ورسول ﷺ کا یہ حکم ہے مگر کویتی قانون سازوں نے اللہ کی شریعت کے مخالف ایک نیا قانون بنادیا کہ ایسے مجرم کو قید اور جرمانہ کی سزاء دی جائے گی حوالہ کیلئے دیکھئے کویت سے جاری ہونے والے سیاسی وغیر سیاسی رسائل بابت 7 رمضان 5 جنوری 1998ء

اس بارے میں ہم یہی تبصرہ کرسکتے ہیں کہ شاید ان کا خیال ہے کہ مقصد نیک ہو تو اس کے لئے استعمال کیا جانے والا ہر ذریعہ خود بخود نیک اور جائز بن جاتا ہے اور جب ہمارا مقصد نیک ہے تو اس کے لئے ہم کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرلیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ ذریعہ شرعی ہو یا غیر شرعی بھلے کفریہ وشرکیہ ذریعہ ہی کیوں نہ ہو جبکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ نیک مقصد غلط ذریعے کو صحیح نہیں بناتا جب ذریعہ شرکیہ یا کفریہ ہو تو کوئی بھی اچھا مقصد اسے اچھا نہیں بناسکتا جبکہ یہ کام شرک ہے کہ انسان خود کو شریعت ساز تصور کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الشوری:21).

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لئے دین کی نئی راہ (شریعت) بناتے ہیں جسکی اللہ نے اجازت نہیں دی اگر فیصلہ کی ایک بات مقرر نہ ہوچکی ہوتی تو ان میں فیصلہ ہوجاتا اور جو ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهاً وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبه:31)

انہوں نے اپنے درویشوں اور علماء اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک الٰہ کی عبادت کریں وہ اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جس نے اللہ کی شریعت بدل دی اور نئی شریعت بنالی تو اس کی بنائی ہوئی شریعت باطل ہے اس کی اتباع جائز نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔(**مجموع الفتاوی : 135-365**) اسی لئے یہود و نصاری کو کافر قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے تبدیل شدہ منسوخ شریعت کی اتباع کی ۔مزید فرماتے ہیں حرام کرنا یا حلال قرار دینا صرف ایک اللہ کا اختیار ہے اگر کسی نے کوئی بھی عمل اختیار کیا یا ترک کیا اس کے کرنے یا ترک پر اللہ کا حکم نہ ہو اور اپنے اس عمل کو دین کے طور پر اپنا لیا تو اس نے اللہ کا شریک اور رسول کا نظیر قرار دے دیا یہ انہی مشرکین کی طرح ہے جنہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے یا ان مرتدین کی طرح ہیں جنھوں نے مسیلمہ کذاب کی پیروی کی۔

غور فرمائیں کہ ابن تیمیہؒ نے کس طرح ایسے لوگوں کو مرتد و مشرک قرار دیا ہے جو اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز ان میں کوئی فرق نہیں رکھا۔(**الفتاوی الکبری 339/6**).

علامہ شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شہر کے لوگوں نے اللہ اور اللہ کے دین کو برا بھلا کہا اور ایسے قوانین رعایا میں نافذ کیے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ صرف یہی کام انکو اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی ہیں۔(**هداية الطريق من رسائل و فتاوى الشيخ حمد بن عتيق ص 186**)

شیخ عبداللہ بن حمیدؒ فرماتے ہیں جس نے لوگوں پر کوئی ایسا قانون بنا کر نافذ کیا جو اللہ کے حکم سے متعارض ہو تو ایسا کرنے والا امت سے خارج ہے کافر ہے۔(نقل عن كتاب الايمان و مبطلاته فى العقيده الاسلامية).

مزید فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے اس بات پر شدید تحذیر اور وعید ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور طرف فیصلے لیجائیں۔اور اللہ کی طرف سے ایسا کرنے والوں کے بارے میں صریح حکم ہے کہ یہ فاسق ظالم کافر ہیں منافقین کے نقش قدم اور طور طریقوں پر چلنے والے ہیں(**فتاوى الشيخ محمد بن ابراهيم 256/12**).

شیخ محمد بن حامد الفقیؒ فرماتے ہیں سلف کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے لئے اللہ کی عبادات میں سے کوئی عبادت بجالائی جائے اور وہ چیز انسان کو اللہ کی عبادت دین اور اللہ و رسول ﷺ کی

اطاعت میں اخلاص سے رکاوٹ بنے۔ چاہے یہ چیز شیطان ہو جن ہو یا انسان ہو درخت ہو پتھر یا اور کوئی چیز ہو اس میں ایسے قوانین بھی شامل ہیں جو کتاب وسنت کے بجائے انسانوں کے وضع کردہ ہوں اور ان کے مطابق مال جان و عزت کے فیصلے ہوتے ہوں ان کی وجہ سے اللہ کی شریعت معطل کر دی گئی ہو۔ یہ قوانین بھی درحقیقت طاغوت ہے۔ **(فتح المجید ص 348-269)**

شیخ عبدالرزاق عفیفی فرماتے ہیں جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہوا اسلام کے احکام سے واقف ہو پھر لوگوں کے لئے خود قوانین وضع کرے ان کے لئے کوئی نظام بنائے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزاریں اس کے مطابق فیصلے کریں اور وہ شخص جانتا ہو کہ یہ قوانین اسلامی احکام کے مخالف ہیں تو ایسا شخص کافر ہے ملت اسلامی سے خارج ہے اسی طرح وہ شخص بھی جو اس مقصد کے لئے کمیٹی تشکیل دیتا ہے یا لوگوں کو حکم یا رائے دیتا ہے کہ ان قوانین یا نظام کو اپنائیں حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ اسلام کے خلاف ہیں (تو وہ شخص کافر ملت اسلام سے خارج ہے) **(شبہات حول السنة ورسالة الحکم بغیر ماانزل ص 63طبعة دار الفضیلة)**

2۔ دوسرا نمونہ: جلسے سیمنار وغیرہ کی ممانعت والے قوانین میں ترمیم۔

10/5/1997ء کے صحیفہ الوطن میں لکھا ہے کہ پہلے قانون تھا کہ اگر کسی جلسہ یا محفل میں کوئی خلاف شرع تقریر یا گفتگو کی گئی تو ایسے جلسہ کے شرکاء کو گرفتار کیا جائے گا منتظمین پر جرمانہ ہوگا مگر اب اس میں ترمیم کر کے بلکہ اس قانون کو ختم کر کے ہر قسم کے جلسے اور محافل کی اجازت دی گئی ہے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں آپ نے دیکھا ہے کہ اس سے کتنا بڑا انقصان ہوا ہے؟ حقائق و ذمہ داریوں سے کس طرح چشم پوشی کی گئی اس کی وجہ سے شرک اور اس کے ذرائع پروان چڑھے دراصل اللہ کے اوامر کی حقیقت سے ناواقفیت اصول توحید واسلام سے لاعلمی اور اس کے متضاد امور سے جہالت اور اللہ کے دشمنوں سے دوستی کی تکمیل اس کی وجوہات اور اسباب ہیں سب سے بڑا گناہ یا خرابی اس سے یہ آئی ہے کہ اسلام کے بنیادی حکم یعنی کفار سے عداوت کے منافی حکم ہے اور کفار سے دوستی وتعاون اور ان کے دین وقوانین کی معاونت اسمیں پائی جاتی ہے اسی طرح ان کی تعریف اور ان کے نظام زندگی کی مدح وستائش بھی اس سے ہو رہی ہے اسی طرح کفار کے خلاف جہاد بھی ترک کرنا اور ان سے صلح ودوستی اور بھائی چارہ قائم کرنا ہوگا اسی کے ساتھ ساتھ ان کے محافل ومجالس میں شریک ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کا سبب بننا بھی اس کی وجہ سے ہوا ہے اس کے علاوہ ایسے اجتماعات میں بھی شرکت کی جاسکتی ہے یا کی جائے گی جن میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام رد

کئے جاتے ہیں اورانگریز کے قانون پر عمل کرنا پڑتا ہے اسلام اوراھل اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے کسی بھی مومن مسلمان کوایسے کاموں سے بچنا چاہیئے اوراپنے دین ایمان وتوحید کی حفاظت کرنی چاہیئے ۔**(الدرر السنیة کتاب مختصرات ص 180)**

شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کفار کے ممالک کی طرف سفر کرنے کی جہاں تک بات ہے تو جولوگ کفار کے ممالک میں ان کے شرائط کے مطابق رہنا حرام سمجھتے ہیں تو وہ ان ممالک کی طرف سفر بھی حرام قرار دیتے ہیں البتہ یہ شخص اس کی طرح پھر بھی نہیں ہے جو مشرکین کے واضح کفر اور وضعی قوانین کے فیصلوں کے مطابق رہتا ہے اور شرعی احکام کارد اس کے سامنے ہوتا ہے اور یہ پھر بھی وہاں خوشی سے رہ رہا ہے ۔(یعنی یہ زیادہ گناہ گار ہے)**(الدرر السنیة 419/12)**

3۔تیسرا نمونہ ۔لڑائی جھگڑا شراب زنا لواطت وغیرہ کے بارے میں قانون؟

صحیفۃ الوطن ۔1 / 1 / 1999ء نے خبر دی ہے کہ قانون سازوں نے 280 قوانین میں غوروفکر اور تحقیق کی ہے ان میں سے بہت سے ملکی قوانین میں ترامیم کی ہیں اور ایسے شرعی قوانین پر غور کیا ہے جنہیں ملکی قوانین کے ذریعے سے قابل عمل ونفاذ بنایا جاسکتا ہے ان میں سے لڑائی شراب زنا اور لواطت سے متعلق قوانین ہیں ۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو قانون سازی کا مطلق اختیار دے دیا گیا ہے جو کہ صرف اللہ عزوجل کا اختیار تھا اب اللہ کی شریعت کو انسانوں کے سامنے پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس پر رائے دے سکیں اس میں سے کسی کو برقرار رکھیں یا ان میں سے ایسے قوانین اخذ کریں جو لوگوں پر نافذ کئے جاسکیں یعنی ان لوگوں کی تائید کے بعد نافذ ہوں گے یہ نہیں کہ چونکہ اللہ کا حکم ہے اسلئے نافذ ہورہا ہے اب قانون سازوں نے اس کی تائید کی ہے اوران میں سے کچھ ایسے قوانین کا اجراء کیا ہے جن پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے ہمارے خیال میں یہ اللہ کی شریعت پر شریعت بنانا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ کا فرمان ہے ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لاَ مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد:41)

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کی طرف آتے ہیں اوراس کے اطراف میں سے کم کرتے رہتے ہیں اللہ حکم کرتا ہے اس کے حکم کا تعاقب کوئی نہیں کرتا وہ جلد حساب لینے والا ہے ۔

نیز فرماتا ہے۔

وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ فَاعۡبُدۡہُ وَ تَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (ھود:123).

اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا غیب۔ اسی کی طرف تمام کام رجوع ہوتے ہیں اسی کی عبادت کر اسی پر بھروسہ کر تیرا رب غافل نہیں ہے اس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

کویت سے شائع ہونے والے رسالے الفرقان کے شمارہ اگست 1996ء میں دستور ساز اسمبلی کو مجلس شوری قرار دیا گیا ہے اور قرآن کی آیت **وامرھم شوری بینھم** سے اسکی تائید کی گئی ہے۔

کویت میں شورائی نظام کی ابتداء پہلے حکمران صباح بن جابر کے دور سے 1752ء میں ہوئی اور اب تک یہ نظام جاری ہے پھر 1961ء میں ملکی وقومی وحدت کو برقرار رکھنے کے لے صدارتی اور پارلیمانی نظاموں کے درمیان کا ایک جمہوری نظام وضع کیا گیا جس کا جھکاؤ پارلیمانی نظام کی طرف زیادہ تھا۔

ماہنامہ الفرقان لکھتا ہے کویتی دستور کی تشریح کے ضمن میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ دستور دراصل قرآن کی آیت اللہ کے فرمان: **وشاورھم فی الامر** ۔(معاملات حکومت میں) ان سے مشورہ کیا کرو کے عین مطابق ہے اسی طرح دوسری آیت میں ایسے نظام مملکت کی تعریف کی گئی ہے جو شورائی ہو۔ **وامرھم شوری بینھم** ۔ان کا نظام مملکت باہمی مشورے سے چلتا ہے اور اس کویتی نظام کی بنیاد نبی ﷺ کی سنت پر قائم ہے کہ آپ ﷺ مشورہ کرتے تھے اسی طرح ہم اپنی اسلامی روایات کے مطابق ملک چلا رہے ہیں یعنی معاشرہ میں اسلامی روایات پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ نئی انسانی سوچ اور دیگر ممالک کے دستوری تجربات سے بھی استفادہ کرتے رہتے ہیں ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر کویتی آئین تشکیل دیا گیا ہے یہ تو الفرقان کی تحریر ہے جس میں 1962ء کے دستور اور اسکے وضع کرنے والوں کی مدح وستائش کی گئی ہے کہ یہ عین قرآنی شورائی دستور ہے۔

ہم اس کے بارے میں یہی کہیں گے جو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ یہ لوگ بہرحال مشرعین (شریعت ساز قانون ساز) ہیں یہ جس طرح چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں قوانین بناتے رہتے ہیں انہوں نے حقیقت میں کتاب وسنت کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اس کے عوض قیمت لی ہے یعنی عہدے حاصل کر لئے ہیں۔

یہ لوگ 62ء کے دستور کے مطابق قوانین بناتے ہیں اور طریقہ مکمل طور پر جمہوری اپنایا ہوا ہے جو کہ اصل

میں یونان کا دستور و آئین ہے جسے دیمقراطی (ڈیموکریسی) کہا جاتا ہے یہ دولفظوں کا مجموعہ ہے دیموس جسکا معنی ہے قوم اور کراتوس جسکا معنی ہے حکم پورے مجموعے کا لفظی معنی ہے قوم کا حکم یا قوم کی حکومت قوم کا قانون۔

ڈیموکریسی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی شمار کی جاتی ہے کہ یہ قوم کی حکومت یا قوم کا حکم یا قوم کا قانون ہے اسی لئے اسکی تعریف بھی کی جاتی ہے مگر ہر موحد اس بات سے واقف ہے کہ یہی تو شرک وکفر کی خاصیت ہے یہی تو باطل کی نشانی ہے یہی تو دین اسلام اور توحید کے معارض ومنافی ہے اللہ کا ارشاد ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهاً وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبه:31)

ان لوگوں نے اپنے علماء ودرویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں وہ ان کے شریکوں سے پاک ہے

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (الشورى:21)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین سے وہ قوانین بنائے ہیں جنکی اجازت اللہ نے نہیں دی اگر فیصلے کی بات مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اسی کویتی دستور 62ء میں یہ جملہ درج ہے کہ شریعت اسلامی پہلا مصدر ہے قانون سازی کے لئے۔ ہر وہ شخص جو عربی سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ مصدر سے مراد ماخذ ہے گویا ان کے نزدیک قانون کے ماخذ بہت سارے ہیں جن میں پہلا اور اہم اسلامی شریعت ہے اور دیگر ماخذ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کچھ اور ہیں یہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی ومفہوم سے انحراف کے برابر ہے یہ شرک فی الالوھیت اور شرک فی الربوبیت دونوں میں شامل ہے کہ شریعت اسلامی کے ساتھ دیگر مصادر وماخذ بھی تسلیم کر لئے گئے اگر چہ وہ اصولی ہوں یا فرعی ہیں بہر حال موجود حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ شریعت یا قوانین کا ماخذ صرف ایک ہے یعنی اللہ رب العزت کا دین۔

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

تیرے رب کی قسم (اے محمد ﷺ) یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافی امور میں تجھے حکم نہ تسلیم کرلیں اور پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے کسی قسم کی خلش محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔

الغرض ان قوانین میں کئی مقامات پر ایسا ہے کہ اللہ کی حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ اسی طرح سود زنا وغیرہ کا جواز بھی مل جاتا ہے جبکہ حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ **(الفتاوی الکبری 339/6)**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (التوبه:37).

یہ جو مہینہ ہٹانا ہے یہ کفر کے عہد میں بڑھائی ہوئی بات ہے یہ گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں اس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں ایک برس تاکہ پوری کرلیں ان مہینوں کی گنتی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ اللہ نے حرام کیا۔ مزین کر دیئے گئے ان کی نظر میں ان کے اعمال اور اللہ کافروں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں نسیٔ کو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل جو اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام بناتا ہو جس نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرلیا جبکہ اسے معلوم تھا کہ یہ چیز اللہ نے حرام قرار دی ہے تو ایسا شخص اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا۔

ابن حزم کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتقاداً ہو یا نہ ہو اگر عملاً کوئی ایسا کام کرلیا تو وہ بھی کفر ہے اسی طرح جتنے بھی حرام کام ہیں زنا، چوری، شراب نوشی، اگر انہیں حلال سمجھا گیا تو یہ کفر ہے اور اگر حلال سمجھے بغیر صرف انکا ارتکاب کیا گیا تو یہ گناہ ہے شراب پینے والا اور اسکی اجازت دینے والا سود کا کاروبار کرنے والے اور اسے جائز قرار دینے والے میں فرق ہے اول الذکر صرف گناہ گار ہے جبکہ ثانی الذکر کافر ہے اسی طرح زنا کا مرتکب اور زنا کی حد میں تبدیلی کرنے والے میں فرق ہے ایسے قوانین بنانا جن سے حلال حرام اور حرام حلال ہوتا ہے یہ کفر یہ عمل ہے یہ دیگر

گناہوں کی طرح نہیں ہے جن میں کہ اعتقاد کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس طرح کہ حرام کردہ مہینوں کو حلال کرنے والے مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے پھر بھی ان کے عمل کی وجہ سے قابل مذمت قرار پائے بلکہ ان کے عمل کو کفر میں اضافہ کہا گیا اسی طرح ہر وہ عمل جس سے اللہ کا حلال کردہ یا حرام کردہ حلال قرار دیا جائے کفر ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے فیصلے سے ذرا سی بھی دل میں تنگی محسوس کی وہ مومن نہیں ہے اس لئے کہ لفظ حرجا نکرہ ہے اسمیں ہر قسم کا حرج کم یا زیادہ سب شامل ہے جب آپ ﷺ کے فیصلے سے دل میں معمولی سا حرج بھی ایمان کے منافی ہے تو پھر وہ شخص کیسے مومن ہوسکتا ہے جو فیصلہ ہی کسی اور سے کروائے ؟ جو قانون سازی کا حق اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے بھی تسلیم کرتا ہو؟ (**ام لهم شر كاء شرعوا لهم من الدين** ....)

اسی کویتی دستور میں ایک جگہ مذکور ہے اگر قانون ساز سمجھتا ہو کہ کسی معاملے میں شرعی حکم کو مکمل طور پر نہیں لاگو کیا جاسکتا اور ہر جگہ نہیں ہوسکتا تو قانون ساز کی بات پر توجہ دی جانی چاہیئے یہ کتنی خطرناک بات ہے کہ شریعت کے احکام کو کسی دن یا کسی موقعہ پر اپنائیں گے اور کسی دن نہیں یہ تو کوئی اسلام نہ ہوا نہ یہ اللہ کی اطاعت ہے نہ اسکے احکام کی تابعداری ہے بلکہ یہ اپنی خواہشات ارادوں طاغوتی قانون ساز کی اطاعت ہے شق نمبر 51 میں ہے قانون کا نفاذ اسمبلی یا سربراہ مملکت دستور کے مطابق کرے گا شق نمبر 6 میں ہے کوئی قانون اس وقت تک جاری نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسمبلی اسے پاس نہ کرے اور امیر کویت اسکی تصدیق نہ کرلے۔

شق نمبر 75 میں ہے امیر کو اختیار ہے کہ وہ سزاء میں تخفیف کرے یا معاف کرے مگر یہ سب قانون کے دائرے میں ہوگا۔

شق نمبر 180 میں ہے یہ قوانین اس وقت تک نافذ و قابل عمل رہیں گے جب تک انہیں معطل یا کالعدم قرار نہ دیا جائے اور یہ تعطل یا انعدام دستور کے مطابق ہو۔

شق نمبر 109 میں ہے مجلس دستور ساز کے ارکان کو قانون و دستور سازی کا اختیار حاصل ہے ہر وہ قانون یا ترمیم جو کسی رکن نے پیش کردی اور اسمبلی نے اسے مسترد کردیا وہ دوبارہ پیش نہیں ہوگی۔

کسی کو حرام اور اس کے حرام کردہ کو حلال ٹھہرایا جائے وہ کفر میں شمار ہے چاہے اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ **(امتاع النظر فی کشف شبهات مرجة العصری 54 لأبی محمد المقدسی)**

اس کی دلیل امام احمد ونسائی کی نقل کردہ روایت ہے۔ براء بن عاذب کہتے ہیں میری ملاقات اپنے ماموں

ابو بردہؓ سے ہوئی ان کے پاس جھنڈا تھا انہوں نے بتایا کہ مجھے نبی ﷺ نے ایک آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی تھی کہ اس کی گردن ماروں اور اسکا مال ضبط کروں۔**(زاد المعاد 15/5)**۔

ابن تیمیہؒ نے ابی بردہؓ کی حدیث کے ضمن میں رائے دی ہے کہ اس شخص کا مال ضبط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کافر تھا فاسق نہ تھا اور کافر اس لئے تھا کہ اس نے اللہ کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھا۔**(مجموع الفتاوی 91/20)**

علامہ حمد بن عتیقؒ اسی ابو بردہ کی حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں ایسا آدمی جو ذی محرم عورت سے شادی کرے اسے قتل کر دیا جائے گا اور اسکا مال بحق بیت المال ضبط کیا جائے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھا وہ کافر ہے اسے قتل کیا جائے گا اور اس میں اسکی نیت معلوم نہیں کی جائے گی اس پر بہت سے علماء بشمول ابن تیمیہؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔**(الدفاع عن اهل السنه والاتباع ص 26 طبعه مكتبة الهداية)**

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حرام کردہ عورتوں سے زنا کرنے اور ان سے شادی کرنے میں فرق ہے اوّل الذکر نافرمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے جبکہ دوسرا کافر ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ:275)

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ ایسے کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے شیطان نے جس کے حواس کھو دیئے ہوں چمٹ کر۔

شیخ احمد شاکر اس کے ضمن میں فرماتے ہیں ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ جولوگ سود کو اس طرح کھاتے ہیں کہ بظاہر اس کو شرعی جواز کی صورت دیدی ہو اس پر احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس طرح کے حیلے وہاں کئے جاتے ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں اور بظاہر اسلام نافذ ہوتا ہے مگر اب جبکہ اسلامی کہلانے والے ممالک میں دین اسلام کے بجائے انگریز کے غیر اسلامی اور ملحدانہ قوانین نافذ ہیں تو ایسے میں یہ حیلے کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس غلط عمل پر اچھی عمل کا لبادہ ڈال دیا جائے بلکہ اب تو سودی لین دین کھل کر ہو رہا ہے۔**(عمدة التفسير:192/2)**

شیخ محمد بن حامد الفقی کہتے ہیں طاغوت کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غیر اسلامی قوانین

کے مطابق حکومت کی جائے فیصلے کئے جائیں یعنی قتل، مال، سود، زنا، حدود، ہر چیز کے فیصلے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہوں اور اس کے بنانے والے طاغوت ہیں **(فتح المجید ص 348-269)**

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین سے کسی نے سوال کیا کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے یا فیصلہ کرتا ہے کیا وہ کافر ہے اور جو لوگ اس میں اعتقاد یا حلال سمجھنے کی شرط لگاتے ہیں اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

شیخ نے جواب دیا جو لوگ اس میں اعتقاد کی شرط لگاتے ہیں یہ غلطی پر ہیں اس لئے کہ جب ہم کسی آدمی کو کوئی عمل کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور وہ اس کے کرنے پر مجبور بھی نہیں ہے بلکہ خوش اور راضی ہے تو ہم خود ہی یہ حکم لگا دیں گے کہ اس نے اس عمل کو حلال اور جائز سمجھ لیا ہے لہٰذا ہم اس کا عمل دیکھ کر ہی اس پر فتوی لگائیں گے اور اگر وہ شخص ہمارے سامنے یہ کہے کہ میں اس عمل کو حلال نہیں سمجھ رہا اور میں اس کے عدم جواز کا عقیدہ رکھتا ہوں مگر اس کے باوجود وہ شخص وہ کام کر رہا ہے تو ہم اس کی بات پر یقین نہیں کریں گے بلکہ اس کے عمل پر ہی حکم لگائیں گے اس لئے کہ کسی کے دل کی بات کو معلوم کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں یا ان کے پیٹ چاک کر کے دیکھوں۔ **(متفق علیہ)**.

لہٰذا ہم بھی ظاہری عمل دیکھیں گے عمل اچھا ہوگا تو ہم اسکی تحسین وتائید کریں گے عمل برا ہوگا تو ہم اس پر وہی حکم لگائیں گے جو ہمیں نظر آ رہا ہوگا۔

یہ چند گذارشات اور نمونے ہم نے آپ کے سامنے پیش کئے تا کہ کفریہ قوانین اور ایک اسلامی ملک کا دستور سامنے لا کر بقیہ ممالک کے دساتیر کو اس پر قیاس کر کے اندازہ لگائیں۔

ہماری ان گذارشات سے آپ کے سامنے اسمبلی میں قوم کے نمائندوں کی حقیقت کا بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ لوگ شریعت ساز وقانون ساز ہیں یہی لوگ رب وطواغیت وشرکاء ہیں انہوں نے اللہ کا حق تشریع چھیننے کی کوشش کی ہے اب ان میں کسی کی نیت اچھی ہو کہ بری اس میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ کے حق پر حملہ کیا ہے اپنے حدود سے آگے جانے کی کوشش کی ہے ہر مؤحد مسلمان پر لازم ہے کہ ان سے براءت وبیزاری کا اظہار کرے جس نے ان کو اس مقام پر پہنچایا ہے وہ مشرک ہے اس نے شرک فی الربوبیت کا بھی ارتکاب کیا ہے اور شرک فی الالوھیت کا بھی جو لوگ ہماری رائے کی مخالفت کرتے ہیں ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ چار قسم کے دلائل میں

سے کسی ایک سے اپنا مدعا ثابت کردیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ اجماع اور یا مباھلہ۔

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْ عُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ کُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمِ .فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ .(آل عمران :61)

جب تیرے پاس علم آ گیا اور پھر بھی تیرے ساتھ کوئی جھگڑا کرے تو ان سے کہدو کہ آ ؤ ہم بلالیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں ہم بھی اور تم بھی پھر ہم التجا کریں اور اللہ کی لعنت کریں جھوٹوں پر بے شک یہ سب حق کا بیان ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے اگر یہ لوگ پھر جائیں تو اللہ فساد کرنے والوں کو بخوبی جانتا ہے۔

یہ کام ائمہ بھی کر چکے ہیں جیسا کہ:

امام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں لوگوں کے پاس اصحاب السبت (یہودیوں) کی طرح حیلے ہیں میں اپنے مخالفین کو چار میں سے ایک کی طرف دعوت دیتا ہوں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اہل العلم، اگر انکار کرتے ہیں تو پھر مباہلہ کا چیلنج جس طرح کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بعض مسائل میراث میں اور سفیان اور اوزاعی نے مسئلہ رفع الیدین میں کیا اور دیگر علماء بھی مباہلہ کا چیلنج دے چکے ہیں۔ **(الدرر السنية كتاب العقائد ص 55).**

ہم نے اس رسالہ میں جو کچھ لکھا ہے یہ صرف الدین النصیحۃ کے تحت بھلائی کی نیت سے لکھا ہے اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ہر حال میں اسلام پر قائم رکھے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان